

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224753

UNIVERSAL
LIBRARY

بِإِنِّ الشَّيْءِ كَلِمَةٌ وَإِنَّ هِيَ الْبَيْتُ الْبَارِئُ

یہ سچ ہو شاد کیا تھا کچھ نہ تھا لیکن تمہارا تھا
نہ سمجھا تم نے او باریک بیویا ت موٹی تھی

تار

فکر بلغ

تصنیف

فخر الادیاء، تاج الشعراء، خان بہادر علامہ سید علی محمد شاد مرحوم

رئیس عظیم آباد

بفرمایش

جناب مولوی رشید احمد صاحب عظیم آبادی تلمذ حضرت مرحوم

بাহقام

شیخ بہا الدین احمد بخجود

در مطبع سلطانی پٹنہ مطبعی طبع گردید

۲۹۱۵۶

ف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 هَذِهِ نَصِيحَةٌ عَلَى سَوَالِ اللّٰهِ

عرض حال

منظور ہی گزارش احوال واقعی

اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

نہ مجھے اتنی استعداد کہ ایسی نادر تصنیف کے متعلق کچھ تحریر کر سکوں اور نہ

چنداں ضرورت کہ ناظرین کو فضول تکلیف دوں جس باکمال کی یہ

تصنیف ہو نہ وہ محتاج تعارف ہی اور نہ خود یہ تصنیف اس کی محتاج کہ ارباب فن

سے اس کا تعارف کرایا جاگے۔ عرصہ سے اس کتاب کی شہرت ہی اور شائقین

مشتاق کہ کسی طرح یہ تصنیف شائع ہو جاگے۔ اس کم مایہ پیمبر نے بہ طرح کوششیں

کیں اور دوڑ دھوپ کا بھی کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا لیکن جب نخل امید بارو

ہو تا نظر نہ آیا اور استاد مرحوم کے انتقال کو بھی دو سال گزر گئے تو یک بیک

خیال ہوا کہ اس لیت و لعل میں جہاں اور تصنیفیں پڑھی ہیں یہ بھی اسی

طرح معرض التوا میں پڑھی رہ جائے گی۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ میں خود اپنی

ہمت کے سہارے کھڑا ہو جاؤں اور جس طرح ممکن ہو اپنے اس اہم فرض

سے بسکدوش ہونے کی سعی کروں۔

بالآخر جب میں نے دیکھا کہ قوم تو قوم حضرت شاد مرحوم کے خاص

اجاب بھی اس طرف کوئی توجہ نہیں فرماتا تو میں محترمی جناب حیدر خاں صاحب
 زاد لطفہ خلف استاذی خان بہادر سید علی محمد شاد رحمہ سے گزارش کی کہ اگر آپ
 اجازت دیں تو میں اپنی اس کم بضاعتی پر بھی اس کتاب کی اشاعت میں ہاتھ
 ڈالوں۔ جناب صوف نے طیب خاطر فوراً کتاب (فکر بلینغ) میسے حوالہ کر دی
 (جس کے لئے میں ان کا تہ دل سے شکریہ گزار ہوں)

استاد مرحوم کے انتقال کے بعد جناب صوف نے ان کی تمام تصنیفوں کو نہایت
 احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھا اور ہنوز وہ تمام تصنیفیں محفوظ ہیں جو حضرات سید صاحب
 موصوف پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ کتابوں کی اشاعت میں ایک گونہ ان کی وجہ سے
 بھی اخیر مورہی تو میں ان کے قول کو محض لغویمانی پر محمول کرتا ہوں۔ یوں
 قوم خود نہ چھپوانا چاہے تو یہ دوسری بات ہی لیکن کسی پر غلط الزام عائد کرنا
 ہرگز مناسب نہیں بلکہ سید صاحب موصوف جس قدر ان تصنیفوں کی اشاعت کے متعلق
 کوششیں کی ہیں وہ بجائے خود قابل ادا ہیں۔

الحاصل میں اپنے اہل شہر کی توجہ بالخصوص اس امر کی طرف مبذول کرانا
 چاہتا ہوں کہ جہاں اس ناچیز نے اس کتاب کی اشاعت کے اخراجات
 اپنے ذمہ لے لئے ہیں میرے ہرگز کانٹنٹن بھی کم از کم دیوان ہی کی اشاعت
 میں کافی حصہ لیکر مرحوم کی ادبی خدمتوں کا کچھ معاوضہ ادا کریں۔
 یہی کہ وقت عزیز کچھ یاد لوں تم کو پوچھا بتاؤ مرحوم شاد کا کیا زمانہ کیوں قتل ہوا؟

خاکپائے حضرت شاد رحمہ
 حیدر عظیم بادی

{ ۳ شعبان المعظم ۱۳۴۷ھ }

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یا مَنْ یَقْبَلُ لِیَسْیَرًا وَ یَحْفَظُنِی لَلْبَیْدِ اِقْبَلْ مِنِّی الِیْسَیْرَ وَ اعْفُو عَنِّی لَلْبَیْدِ

ای تھوڑی سی (نیکیوں کے) قبول کرنیوالے اور بہت سی (خطاؤں کو) بخش دینے والے میری تھوڑی سی نیکی (اگر ہو) تو اسے قبول کرے اور میرے بہت گناہ بخش دے۔

یہ چند اشعار بطور رثنوی کے مشتمل ہیں اطہار استکانت و شرم ساری بزرگوار باری تعالیٰ اور ان نصائح کے بیان پر جو بہ ضمن اصلاح راقم حضرت فخر الکلام مولائی و استاذی جناب مولانا قریب آباد علیہ الرحمہ نے راقم کو

فرمائے تھے جس کے آخر میں حقیقت حال کو صاف ظاہر کر دیا ہے اور اتمہ سے بچھی کو نزع میں پوچھتے خموشوں نے اخیر وقت جب آیا چھپے نہ راز ان کے

نگاہے جانب عباس زادہ
چہ سازد اندرین پیرانہ سالی
ستم بر پیش اہل نظر کرد
ہمہ آہ ہمیں یک خوردہ دوعت
ز خار این چین گلدرستہ بستہ
بسر زد با تامل چون نگہ کرد
شہہ را صورت کو بسفتن
سین عمر من ہشتادھے بحال
ز درگاہت مہد عفو دارم
ازین نیکی نہاید ہر چہ گفت ست

کریما بردرت سر بر نہادہ
بآمد منفعل بادست خالی
بفکر شاعری عمرے بسر کرد
ہمانا این دروغ بے فروغ ست
بکوش استخوان خود شکستہ
ز نظم و نثر دفتر ہا سہ کرد
تقو بر این ہمہ بے صرفہ گفتن
بمگاپو در پیش کردہ دوی سال
ازین ناگفتنی ہا شرم دارم
دلے چوں نیتم باخیر حفت ست

۱۵ نام پدر مصنف عباس میرزا ست۔

نظر بر کار من یارب مفرمائے
 عقوبت گزنی شائسته آن
 مراقب سی نفس دیرینه استاد
 ایسے بے نظیر و کامل لفظ
 فلاطون دانستے بنفش فرمائے
 چو خسرو شاه اقلیم بلاغت
 نسبت نازش کنناں بزات کش
 گلے از گلشن موسی کاظم
 در آئین طریقت شیخ کامل
 بدویشی امارت کردہ منظم
 تصوف را پیر سن از خیل مہمان
 ولے کو نیست شایان تصوف
 تصوف آنکہ بانیش علی بود
 کلام صوفیان حق چہ نیکوست
 دگر کو بہت او اندر میانہ
 ز حسن ذات آن عاشق خریدار
 بہستی گورہ میخانہ بومند
 کند از زلف و گراز رخ حکایت
 بمن فرمود کاوی فرزند فرزند
 کمالت زندہ ساز نام فریاد
 نہ آید چون تو کامل فن تو آتی

بہ نیکانت کہ بر عالم بہجتائے
 ولے گر بگزری باکستہ آن
 کہ رحمت بر روان پاک آباد
 ضمیر شنیم شمع طول روشن
 ہنر سخنچہ حکیم سختمہ رائے
 چو سعادت علی ملک فصاحت
 غمخیز از نویر دامن مشت کش
 دے در دامن موسی کاظم
 در اقلیم تصوف شاہ باذل
 بزہدشماں تصوف گشتہ محکم
 ندادندش خبر خطا ہر رستاں
 چہ داند عظمت و شان تصوف
 رموز ذات حق بردی حلی بود
 ہمہ ز وہست در معنی ہمہ اوست
 چہ داند از ایں آئینہ خانہ
 پیرس از عاشقان لغز گفتا
 بسا غر جز می عشقش بخونند
 بمعنی دان ز حسن اور وایت
 مرا چوں زادگان خود جگر بند
 بر آرد چوں ہمایوں گام فریاد
 دل فریاد را تاب و توانی

مراناز نیست بر طبع جوانت
 ز سیمایت نجابت آشکارست
 چو با نظم سخن داری سروکار
 بدل داری اگر ساغر پرستی
 همانا شاعری فن شریف است
 ز دالت پیشگانش خواهر کردند
 ز حسن و عشق اگر داری وایات
 که سازد عاشقان را خرم شاد
 سخن باید که باشد عاشقانه
 در آرد و شاعری ممتاز گردی
 به ایجاز سخن را تا توانی
 سخن بر گزین خط و خال و زخما
 عمل شد منحصراً بر حسن نیت
 کلام کو پراز فسق و فجور است
 چو آباست همه اهل زبانند
 تو خود صاحب باطنی نیرادی
 پراز نعمت تر خود هست چون غایب
 و گزینده است اندک در میان
 کسے کو از اصولت با خبر نیست
 اگر ایرادے بود از کینه کوشی
 مکن آلوده لب از مدح ناز است

خدا افزون نماید علم و شانت
 وجودت مایه ناز بهار است
 ہمیں اندر چند از من تگه دار
 و گراز نشسته این بادہ مستی
 تو شایانی گرت طبع عقیف است
 کہ رسوائیش سر بازار کردند
 لوازم صرف کن در ستمعارات
 بخواندش بزرگان جائے اوراد
 بر انداز فیض جان زمانہ
 علم چون حافظ شیراز گردی
 بر آید تا از و طول معانی
 نہ چون لولی پرستان سیه کار
 حقیقت را عیاں کنی ر مجازات
 از چشم حقیقت بین نفور است
 در آرد و از فیض جان مانند
 در فیضان آرد و را کشادی
 شاید ذلہ خواری کیریمان
 برو ایراد باشد عامیانه
 ز جہل از حرف گیر و معتبر نیست
 جوابش نیست الحق جز خموشی
 تو خود ہم نیک میدانی کی بجا است

رفاه حلق بر جو تا توانی
 بدشمن هم ترا باید نکوئی
 بشو کوشاں بکاشه چون گیتی عزم
 مروجا یکجہ جمع آیت دشمن
 مخواں اشعار خود در کو و برن
 مشو مغرور بر مدحت که گویند
 به چو کس زبان خود می آلاکے
 مشو آواره گردان اہم آہنگ
 حذر لازم از آن کس تا تواند
 چنین اندوز ہا چون یاد دادم
 شمر دم فرض خود تقمیل این حکم
 چو عمر از حد طبعی برگزشت است
 دین آدمی بگشتم شصت و سال
 ہر آن نظم کہ اکنون در شمار است
 بلکہ از نشر ہم دفتر نوشتم
 چو تعظیم بزرگان است کہ بشتم
 زبان دانان این شہر معظم
 از بان مادری من ہمان است
 سز در طبع بے پروا بنازم
 نہ بروائے ثنا خوانان نہ راست
 ہر آن کہ در مرانی او ستاوست

مراں چون بلہاں حرف نہانی
 بحق بیح کس جز حق نگوی
 در آن عزم از دل فجاں بایدت جزم
 حذر لازم از حرف بد شنیدن
 کہ تا زائل نگردد در حرمت فن
 کہ اکثر مسکاب ناراست پویند
 بخاطر خود پند ہی امده جائے
 کہ سنگ مہ بجائے خوشین سنگ
 نہ اند لیک دانشش کہ داند
 بر ارشادات وی گردن نہادام
 چو فرمان پیدر تکمیل این حکم
 چہ ہواں کرد آن سگرزشت است
 ضعیف و لنگ لنگان خستہ احوال
 فزون از یک لک پنجم ہزار است
 نمی گویم ہمہ خوشتر نوشتم
 در اردو پیر و آبائے خوشتم
 نہ پنداری کہ بودند از کس کم
 نہ ما خود از کلام دیگران است
 کہ از تحسین و نفس بے نیازم
 نہ ہم از نکتہ چینی ہائے بیجا است
 در نکتہ رس قدسی نہاد است

وے چوں رہ بر روحانی من
 بصد رحمت نگاہے دہشت سویم
 رضا و ناخدا بے مثل و انباز
 برویم صد در معنی کشاوند
 زہے کالی چرن استاد نامی
 از و آموختم یک چہ پیکل
 چو بے ریب و گماں ہادی فن بو
 عزیزانیکہ تلمیذ حقیر اند
 چو عمرے زندگی کردند با من
 چہ لغزشہا کہ پوشیدم با صد
 نہ امیدے نہ احسانے ازیں با
 دماغ خویشتن بر یاد دادم
 ز من آموختند آئین مجلس
 نمودم روشناس یک چہلے
 کشودم یکے مانے چشم شاں را
 نفہمیدند صد خویش با من
 دلک از دست ایشان لیش بست
 بہ ہجوم نامہا کردند ترقیم

انیس آمد کہ بودہ جان این فن
 ہمارہ پیر و رفتار اویم
 یکے از اصغہاں دیگر شیراز
 زبان پارسی را یاد دادند
 میان ہندیان ذلتش گرامی
 نمودم دقت گیتا از وصل
 چہ گویم جز دعا کا ستاد من بود
 ز طفلی خوگر دوشش فقیر اند
 شنیدند اندکے از فوے این فن
 گناہم این کہ کوشیدم با صلح
 نہ نفع دین و ایمانے ازیں با
 فوائد ہا بہ ایشان یاد دادم
 بصد ر آوردم از پایین مجلس
 ز مدح مشاں بخواندم داستاںے
 چو گر بہ دیدہ ہا بے بچگان ا
 دریں وادی کجا ایشان کجا
 کہ این خم نہاں ز تیغ خویش بست
 ز نام دیگران کردند تقسیم

۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰

چنان طفلے کہ نشناسد پدر را
 کلامش خود علم در ناپسندی
 چنان کس بر منے ایراد آرد
 چه کلفت ہا کہ از ایشان نہ بدیم
 عزیزانیکہ کہ دل جوئے فقیر اند
 حبیب بر آستان اہلیت خم
 نہ پنداری فقط ما را عزیز اند
 نہ در اخلاص شان لغزش بدیم
 چو کس استاد خود شمر دند
 سعادت مند و با فہم و شعور اند
 نہ نقصانے نہ آزارے بدیم
 نمودم اند کے کہ وقت خود صرف
 شمر دند انکہ نعمت یا قسم من
 خدا یا اجرائیں خدمت بدہ شان
 خدا یا ہر جہ گفتم راست گفتم
 شفیقا ناظر انصفت شعارا
 اگر عیبم ننگ سری با تو گویم
 عزیزانیکہ بد گوئے فقیر اند
 جواب این عزیزانم خموشی است
 خطا جو یا شن گفتیم و رفتیم
 نجوم زیں کہ میاں مال زہیج

چه فہمد قدر استاد ہنر را
 کند اندر شنائش لیش خندی
 چه ایراد از خصومت یا آرد
 بہ دست داور انصافش سپردیم
 در ارباب سعادت بے نظیر اند
 نہ انداز پدر استاد را کم
 متین و نکتہ سخن و باتیمہ اند
 نہ غیبت از زبان شان شنیدیم
 بحرف و محشک و ریہے نہ بردند
 ازین استاد آزاری نفور اند
 نہ در اصلاح شان محنت کشیدم
 بدل کہ دم اگر گاہے دور حرف
 یکے پایندہ دولت یا قسم من
 وقار و عمر و ہم دولت بد شان
 حقیقت بے کم و بے کاست گفتم
 دریں فن ادعائے نیست ما را
 بیائے شل رہ حق را پر گویم
 بہینہ نکتہ چینی ہا سیر اند
 کہ دیرین سلک من عیبے پوشی است
 ہنر پوشا دعا گفتیم و رفتیم
 دعائے مغفرت خواہم دگر بیج



سال ہا دل طلب جامِ جم از مامی کرد
 آنچه خود داشت زیگانه تمنای کرد

قواعد علم اللسان کے رو سے ہنوز ہماری اردو زبان میں فارسی عربی
 خواہ کسی دوسری زبان کو (مثلاً انگریزی) دخل تام و رکینت کا رتبہ حاصل
 نہیں ہوا ہے۔

اصلیت و رکینت کے یہ معنی ہیں کہ بغیر اُس زبان کی شرکت کے چارہ نہ ہو
 مدتوں سے سنتے آتے ہیں کہ ہماری زبان جس کا نام اردو ہے بہت سی باتوں
 سے مل کر بنی ہے جس میں عنصر غالب فارسی اور کسی قدر عربی زبان کا ہے۔

ملا محمد فائق نے اپنی کتاب میں ایک قول سیبویہ مشہور نحوی کا لکھا ہے سیبویہ کہتا ہے
 کہ وہ اگر تکو کسی زبان کی اصلیت و رکینت دیکھتی ہو تو اُس زبان کے مختلف
 لفظوں پر نظر کرو اور یہ دیکھو کہ اس زبان میں افعال و علامات خبر و ضمائر
 و اسمائے اشارہ کس زبان کے ہیں اور آیا تبدیل ہونے پر بھی وہ زبان اپنے
 مرکز پر قائم رہ سکتی ہے یا نہیں؟

اس معیار پر اگر جانچا جاتا ہے تو فارسی و عربی وغیرہ کوئی غیر زبان نہیں ٹھہرتی

سیبویہ بھی کہتا ہے کہ جملوں میں ابتدا و فاعل و مفعول و متعلقات جملہ کا اس معنی کر کے اعتبار نہیں ہے۔ یہ جملہ خاص اُردو کا ہے مثلاً ہم نے روٹی کھائی اگر ضمیر ہم فارسی زبان میں تبدیل کر کے کہیں کہ من روٹی کھائی یا فعل کو بدل کر کہہ دیں کہ ہم نے روٹی خوردم تو یہ جملہ اُردو کا نہ ہے گا ہاں مفعول کو بدل سکتے ہیں مثلاً ہم نے نان کھائی۔ اسم اشارہ کو بدل کر دیکھتے جیسے وہ آیا کو دُاؤ آیا کہہ دیں یہ بھی غیر ممکن ہے ہم کتاب کی کتاب صحیح اُردو میں ایسی لکھ دے سکتے ہیں کہ جس میں ایک لفظ بھی فارسی عربی یا کسی غیر زبان کا نہ ہو مگر چاہیں کہ ایک جملہ بھی بنیہ مروجہ ہندی لفظ کے ادا کر دیں غیر ممکن ہے چنانچہ آگے اس کی مثالیں آئیں گی۔

شعرائے اُردو میں سب سے زیادہ حضرت غالب الفاظ فارسی بہ ترکیب فارسی داخل فرمایا کرتے ہیں مثلاً ع شمار سحر مرغوب بت شکل پسند آیا۔ ملاحظہ ہو سارا مصرع مرکب در مرکب فارسی کا ہے مگر فعل کو بدل نہ سکے یہ بھی خور کیا جائے کہ جتنے الفاظ فارسی کے ہیں اُن میں نہ ضمیر ہے نہ اسم

اشارہ نہ علامات خبر ورنہ جملہ اُردو کا باقی نہ رہتا اور ملاحظہ ہو **ع** نقش نازبت طناز باغوش قریب پائے طاؤس پُر خانہ مانی مانگے دونوں مصرع فارسی الفاظ سے بھرے ہیں مگر ان میں ایک بھی کرن زبان (اسم اشارہ و ضمیر و علامت خبر فاعل) فارسی کا نہیں ہے ورنہ ممکن نہ تھا کہ تبدیل کر سکتے اب اُردو کے جملوں کو ملاحظہ کیجئے۔

بھوک کے مارے جھلا گیا گھر آیا بھر پیٹ روٹی کھائی دگدگ کر پانی پیا

نیز کے مارے آنکھیں جھپکنے لگیں پڑ کر وہیں سو رہا پھر ایسا سویا کہ
 بھور ہو گیا سورج نکلادن چڑھا تو بھی میں نہ چونکا جب لوگ آئے
 اور پاؤں پکڑ کر کھینچا تب میں چونکا۔

دوسرا جملہ جیسی تم جو مجھ سے یہ کہتے ہو کہ تو اپنے کنبے والوں سے نمل
 انھیں چھوڑے بتاؤ تو سہی یہ بات کسی سے ہو سکتی ہے کیسے ہی کڑے
 کاجے کا کوئی ہوا اتنا قصائی پن اس سے ہو ہی نہیں سکتا کہ اوروں سے
 توجی کھول کر ملے اور جن سے لہو ملا ہوا ہے انھیں سے منہ موڑے۔

مذکورہ بالا دو طویل جملے صحیح اردو کے ہیں مگر ایک لفظ بھی ان میں
 فارسی کا نہیں ہے ظاہر ہے کہ اس زبان میں فارسی وغیرہ زبانیں
 اصل زبان میں داخل نہیں ہیں پھر یہ کہنا کہ اردو چار زبانوں
 سے ترکیب دیکر بنائی گئی ہے کیونکر صحیح کہا جا سکتا ہے۔

جتنی زندہ زبانیں موجود ہیں کم ہمیشہ ان میں غیر زبانیں بھی مل گئی
 ہیں اس سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ زبان فلاں غیر زبان سے مرکب
 ہے بیشک ہماری زبان میں وہ گو کہ اصل زبان میں نہیں ہے ہی فاعل
 و مفعول وغیرہ چند متعلقات جملہ میں بہت افراط سے فارسی وغیرہ
 زبانیں ایسی مل گئی ہیں کہ ان کا چھڑائے چھوٹنا اب نہایت ہی
 مشکل ہے مگر میں کہتا ہوں کہ جب وہ الفاظ ایک مدت سے زبان
 میں مل کر کہیں اندک تغیر کے ساتھ کہیں بلا تغیر جزو واحد ہو چکے
 ہیں فرض کرو کہ نقصت کوئی شخص اس لفظ کو ہٹا کر بجائے اُس کے

اپنے حسب خواہ دوسرے الفاظ کے تو اول ہر زبان میں خدا جانے
 غیر زبانوں کے الفاظ متغیر ہو کر یا جینسہ کس قدر مل گئے بجز کا حصاً
 ناممکن ہے تو چاہئے کہ سب کے ساتھ ایسا ہی تعصب رکھے اور یہ ناممکن ہے
 دوسرے اتنے بے گنتی الفاظ کا جو ہر اعتبار سے اب اسی زبان کے
 قرار دیدئے گئے ہیں مروجہ زبان سے نکال نکال کر اجنب لغات
 و الفاظ کو داخل کر نیکی کوشش کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا موجود فصیح
 و سلیس اردو کو نہ وہ جس میں کثرت سے زبردستی فارسی کی ترکیبیں
 الگ نئی نئی داخل کی جا رہی ہیں اور الفاظ الگ دوسری طرف
 اچھے خاصے مستعمل لفظ کی جگہ سنسکرت کے اجنب الفاظ داخل ہو رہے
 ہیں، اگر مسلمان اور ہندو دونوں اپنی متفقہ کوشش کر کے اور بھی
 پھیلانے کی تدبیر کریں تو شاید یہ زبان جو اس وقت دینا بھر کی زبانوں
 میں شہرت پا چکی ہے عالم گیر اور علمی زبان ہو جائے اس موجودہ
 سب طرح سے آراستہ زبان میں ایک جانب سے فارسی عربی کے
 زیادہ کرنے اور دوسری طرف سے بھاکھا اور سنسکرت کے زیادہ
 لغات لانے کی کوشش سے یہ ہو گا کہ اس میں پوری کامیابی ہوگی
 نہ اس میں نتیجہ بجز تنزل کے کچھ نہیں ہے۔ جو لوگ اس بنا پر کہ اس کا
 نام اردو ہے اور بد قسمتی سے چند ناواقف حضرات نے اس کی تصدیق
 بھی کر دی کہ مسلمانوں کی فاتح فوج کے بازار میں یہ زبان پیدا
 ہوئی اسی لئے اس کا نام زبان اردو ہوا وہی لوگ جھگڑا کسی ایک

تاریخ یار و زنا چہ یا تذکرہ میں جہاں جہاں اس زبان کا ذکر ہو کسی جگہ چھٹی صدی ہجری سے شروع تیرھویں صدی ہجری تک مجھکو یہ تو دکھائیں کہ اس زبان کا نام زبان اُردو ہی جہاں جہاں کہا گیا ہے ہندی یا ہندوستانی زبان اس کا نام بتایا ہے خود راقم الحروف نے اسی خیال سے تاریخوں و روزناموں تذکروں میں ڈھونڈ ڈھالا کہ کہیں تو یہ نام زبان اُردو نکل آئے مگر کسی جگہ یہ نام ہی مذکور نہیں ہے۔ تب اس کی کھوج ہوئی کہ حقیقت میں کب سے اور کس نے اس زبان کا اُردو نام رکھا کہ دفعۃً او اسطہ تیرھویں صدی ہجری سے اس سرے سے اُس سرے تک یہ نام دائر و سائر ہو گیا۔ آخر اس کا پتہ لگ گیا اس کے بیان کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ مختصر طور سے اس کی تاریخ دہراویں۔

یہ تو ہر طرح سے معلوم ہو چکا کہ اس زبان کی اصلیت اور ڈھانچ کے اندر زبان فارسی وغیرہ نہیں ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ سطوروں کی سطر میں عبارت کی اس زبان میں لکھ جائے جس میں ایک لفظ بھی فارسی کا نہ ہو اور نہ ضرورت مجبور کرے برخلاف اس کے اگر اسی شریک اعظم (فارسی) کے الفاظ اور مرکبات حضرت غائب کی طرح زبردستی داخل کر نیکیا قصد کیجئے اور یہ چاہئے کہ بغیر ہندی لفظ کے ایک جملہ بھی تمام ہو جائے تو ناممکن ہے دراصل تو یہ زبان ہندوستانی ہی اور ہندوستانی ہی اس کے مالک ہیں پھر یہ کیونکر ہو سکتا تھا

کہ غیر زبان دخل در معقولات دے۔

یہ تو معلوم ہے کہ مسلمانوں کے میل جول سے اس زبان میں الفاظ فارسی و عربی و ترکی وغیرہ بضرورت ملنا شروع ہوئے چاہے اُن کے اُردو بازار میں ہو یا باہمی معاشرت میں لیکن یہ بھی ضرور ہے کہ مسلمان بھی بہ مجبوری ان الفاظ کو اس زبان میں ملائے تھے اور وہ اُسی زمانہ سے سوچے ہوئے تھے کہ غیر زبان کے الفاظ کے ملنے سے فصاحت میں داغ لگتا ہے چنانچہ اس زبان مرد میں انہوں نے بکثرت اشعار کہے ہیں حیرت تو یہ ہے کہ باوجود اس میل جول اور فراولت کے فارسی الفاظ اور فارسی ترکیبوں سے برابر اجتناب کیا ہے۔ جہاں تک معلوم ہے ابتدا میں اس زبان میں مرتبہ کہے گئے ہیں جگھو یاد آتا ہے کہ مدت ہوئی میں نے ایک قدیم بیاض میں دو تین سطروں میں ایک نظم دیکھی تھی جو امیر خسرو کے سیکڑوں برس قبل کی تھی اس کا ابتدائی مصرع جگھو یاد ہے ع

چمن میں آئی ہے کیسی ییہ ت مے نین سے کوئی تہا کے۔ حضرت امیر خسرو جس پایہ کے فارسی گو شاعر تھے اس وقت تک ہندوستان پر کیا منحصر ہے خود مرکز زبان فارسی تک میں اگر دیکھا جائے تو دو تین ہی نام لئے جاسکتے ہیں ظاہر ہے کہ جو شاعر ایک زبان میں تباہ و تاراج و کامل ہو گا وہ دوسری زبان میں جو پختہ لاس کی مادری زبان کے ہو کیا کچھ اٹھارے گا اُن کے سب قسم کے ہندی کلام موجود ہیں

اگر مسلمانوں کا یہ قصد ہوتا کہ جان بوجھ کر بے ضرورت اس زبان میں فارسی وغیرہ الفاظ اور ترکیبیں ملاتے جائیں تو حضرت امیر خسرو چھوٹے دیتے غرض نے الحقیقت بابر بادشاہ کے زمانہ تک یعنی تین سائے تین سو برس تک جتنا میل فارسی کا ہو چکا تھا وہیں تک حد رہی مگر نویں صدی کے آخر سے بہ سبب اس کے کہ بابر بادشاہ کے ہمراہ فوج سے لیکر جتنے امرایا ہمراہی تھے ان میں ایک بھی ہندی نہ تھا اس لئے اس زمانہ سے باقراط فارسی و ترکی لفظ اس میں ملنا شروع ہوئے اور سبب اس کا یہی ہوا کہ درمیان میں شیر شاہ کی سلطنت کا پندرہ سولہ برس کا جو کچھ تفرقہ ہوا اور نہ اکبر بادشاہ کے عہد تک برابر فارسی زبان ملتی ہی رہی کیونکہ سلطنت کے استقلال نے ملکی لوگوں کو فارسی زبان کی تحصیل پر مجبور کر دیا اور ایسے لوگ برابر اپنی قابلیت کے اظہار کے لئے ان فراط سے فارسی ملاتے چلے گئے۔

نواب فاضل خاں اپنے روزنامہ میں یوں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہی باوجود اس کے کہ ہنوز دربار و محلات میں ملکی لوگوں (ہندوؤں) کی کثرت نہ تھی حضرت نعل سبحان اکبر بادشاہ کی زبان پر یہ لفظ جاری تھا کہ جس ملک پر مابعد دولت کو دعویٰ جہاں باقی ہوا اور اس ملک کا نظم و نسق میرے متعلق ہو اس ملک کا رویہ تک ہم کو معلوم نہ ہو یہاں تک کہ اس ملک کی مروجہ زبان سے اجتناب کریں اور بعض اسکے کہ یہ ہیں کی بولی کو زیادہ پھیلائیں تاکہ زبان مروجہ میں پھیلاؤ پیدا ہو لیکن اس کی جگہ ہم

فارسی و ترکی و عربی سے کام نکالیں اور اب تو وہ اگلا وقت بھی نہیں ہے
 کہ ہالیان سلطنت یہاں کی زبان جانتے ہوں بلکہ جہاں تک متوسلین
 دربار ہیں وہ بخوبی یہاں کی مروجہ زبان سے آگاہ ہیں چاہئے یوں کہ
 جہاں تک ہو فارسی وغیرہ لغات کو کم استعمال کریں۔ ابو الفضل نے لکھا
 ہے کہ حضرت نے ہزاروں ہندی اصطلاحیں خود اختراع کیں اور جب
 جب کوئی نیا عہدہ یا نیا محل یا نئی چیز ایجاد کی اس کا نام ہندی ہی لکھا
 چنانچہ اس کی بھی ایک لمبی فہرست دی ہے اس دانائے سلاطین کے
 بعد جہانگیر بادشاہ کو اس طرف توجہ نہ تھی جوں جوں علم عربی فارسی
 بڑھتا گیا اس زبان میں بھی میل عربی فارسی کا بہت بڑھا یہاں تک
 کہ عبدالرحیم خاں نے ایک عجب مضحک نقل جہانگیر کے سامنے بیان کی
 مگر بادشاہ کو اعتنا نہ ہوئی انھوں نے عرض کیا کہ جب میں فتح بلوچستان
 کے لئے روانہ ہوا تو لشکر میں ایسا قحط پڑا تھا کہ دو اب وغیرہ پر کیا مٹھر
 ہو سیکڑوں انسان فاقہ سے مرنے لگے ایک دن خان خانان نے
 اپنے ملازم سے کہا کہ نواب جعفر خاں کو میرا سلام کہنا اور یہ التماس
 کرنا کہ آپ کی سرکاریں گھوڑوں کے لئے گھانس ہوگی میرے
 گھوڑوں کو کئی ہفتوں سے گھانس بیس نہیں ہے اگر ممکن ہو تو تھوڑی
 گھانس مرحمت فرمائے جب یہ پیام نواب صاحب سے کہا گیا تو
 اپنے جواب میں ارشاد کیا کہ خود میرے مطبن میں اتنی طبن نہیں کہ
 عصا فیہ آشیانہ بنائیں چہ جا کہ افراس وافیال۔ غالباً یہی سبب تھا

کہ شاہجہاں بادشاہ نے ۱۶۵۱ء جلوس میں بقول صاحب روزنامہ نواب
 سعد اللہ خاں وزیر کو ایک فرمان لکھا کہ آئندہ سے امر او ہالیان دفتر
 لغات عربی و فارسی کی آئینہ نش اس زبان میں نہ کریں اور جس طرح مابودت
 اور شاہزادے بولا کرتے ہیں اس کی رعایت رکھیں۔ یہی سبب ہوا کہ شاہجہاں
 کی طرف یہ زبان منسوب ہوئی۔ غرض یہی امر اتھے جو چھپیس برس تک
 اورنگ زیب کے لشکر میں دکن کی خاک چھانا کئے۔ صاحب آثار الامرا
 لکھتے ہیں کہ قلعہ گول کندہ کی چڑھائی میں دکن کا رہنے والا ایک شاعر
 غبارِ تخلص بے علاقہ ملازمت فقط اصلاح زبان کی نظر سے فوج کے
 ہمراہ تھا وہ اپنے خیمہ میں مشقِ سخن میں مشغول تھا کہ قلعہ سے ایک گولے
 نے آکر اُس کا کام تمام کر دیا غرض اُس زمانہ سے لیکر محمد شاہی عہد تک
 ان غریب منصب داروں اور امر اکو سر کھجانے تک کی تو فرصت نہ تھی
 اصلاح زبان کو پوچھتا کون ہوتا ہم اس عہد میں بھی معتمد الملک نواب
 امیر خاں ایک ایسا بہتہ صفت موصوف امیر تھا جس نے اس
 ملکی زبان کی طرف توجہ کر کے اصلاح شروع کی اس زمانہ میں حضرت
 ولی اپنا دیوان ترتیب دیکر دہلی میں لائے اور نواب محمود کو دکھایا
 تو نواب نے شکر کہا کہ شاہ صاحب اپنے تو ہندی زبان کی کچی دیوار
 پر فارسی کا ریختہ خوب کیا ہے تب سے ایسے اشعار کا نام ریختہ ہوا اور
 یہ نام بہت دنوں زبان زد رہا۔ یہاں تک کہ سلطنت کا حال ٹھیک
 تانی کے زمانہ میں تباہ ہو گیا۔ بادشاہ سلامت نام کے بادشاہ ہو گئے

شاہزادہ عالی گوہر کو بعد عالم گیر ثانی کے بمصلحت انگریزوں نے
 باہم کیا اور شاہ عالم کا لقب دیا۔ دہلی وغیرہ تو باغیوں کے قبضہ
 میں تھی ناچار الہ آباد میں شاہ عالم کو جگہ ملی اگرچہ باعتبار حکومت
 و دولت وغیرہ کے یہ بادشاہ ایک نواب سے زیادہ رتبہ نہ رکھتا
 تھا مگر جو ضابطہ قدیم تھا مثلاً سرشتہ وزارت بخشی گری وغیرہ سب
 نہایت مبتذل ہیمانہ پر قائم تھا۔ اسی اعتبار کر کے دو تین ہزار فوج
 بھی ساتھ تھی نام نہاد کو اردو بازار بھی تھا۔ انگریزوں کو فصیح
 زبان سیکھنے کی دھن تھی جن جن کو انھیں ہتر فاو اہل زبان سے
 سیکھتے تھے اُس وقت سے انگریزوں کی بدولت اس زبان کی
 شہرت زبان اردو ہوئی باوجود اس ترقی کے جو اس وقت اس
 زبان کو نصیب ہوئی اس زبان کی فصاحت و بلاغت کے
 بارہ میں جیسا چاہئے اب تک کسی نے قلم نہیں اٹھایا ہے عربی دہا
 عربی کتابوں سے مدد لیا کرتے تو ہیں مگر جو قواعد مختص زبان عربی
 کے ادب سے متعلق اور عامتہ الورد نہیں ہیں وہاں ضرور عاجز
 آجاتے ہیں۔ راقم اشم ذیل میں اس کے متعلق کچھ فوائد درج کرتا ہے
 تاکہ ہمارے شعرا اور اہل علم کو توجہ ہو۔

فصاحت و بلاغت

تلخیص و مختصر معانی وغیرہ جتنی کتابیں فن معنی و بیان میں لکھی گئی ہیں

اور ان میں فصاحت و بلاغت کی جہاں تک تعریف کی گئی ہے وہیں کا حاصل
ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

فصاحت کی اجمالی تعریف یہ ہے کہ الفاظ میں جتنے حروف ہوں ان کی نسبت
دل پسند اور ان کے آپس میں تنافر نہ ہو اور قواعد صرف سے متجاوز نہ ہو۔ الفاظ
سب مانوس ہوں غرابت یعنی بیگانگی نہ پائی جائے۔

علمائے فن ادب نے تنافر کے بارہ میں بہت بڑی بحث لکھی ہے مثلاً جمع ہونا دو
دو رخ کا دو دو حرف سا دو دو سی دو دو ش دو دو غ دو دو ق دو دو
حائے حلی یا ہائے ہوز کا۔ اصل یہ ہے کہ ان حرفوں کے جمع ہونے سے زبان کو
ضغطہ ہوتا ہے اور آواز گرائی کرتی ہے یا انگریزی میں کوئی دوسرا لفظ ہی نہ ہو
یا وہ نام ہو جیسے (ققنس جانور مشہور کا) تو مجبوری ہے۔ مگر یاد رہے کہ مختلف
زبانوں میں مختلف حروف و الفاظ سے ضغطہ زبان واقع ہوتا ہے جیسے ہماری
زبان میں حروف ڈ ٹ ٹا یا مخلوط التلفظ ہائے ہوز کے ساتھ جیسے تھا
بھا وغیرہ تو بحالت مفرد رہنے کے یعنی ایسے دو حرفوں کا جب تک

اجتماع نہ ہو ہرگز ضغطہ نہیں ہوتا ہے لیکن اہل عجم و عرب وغیرہ جیسا کہ اس
برس اس ملک میں رہنے پر بھی بسبب ضغطہ زبان کے درست دانستیں کر سکتے ہیں
فصاحت کی تعریف میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ غریب یعنی اجنب نہ ہو۔
اب مثلاً سونف دو اے مشہور کی جگہ کوئی شخص رازیاں استعمال کرے
ہر چند وہی معنی اس کے بھی ہیں تو غرابت ہوگی با این ہمہ مذاق سلیم
جن کو ہے اور بالطبع وہ ایسے مقامات کو پہچانتے ہیں وہ خوب گاہ

ہیں کہ بعض مقام ایسے آجاتے ہیں کہ غریب اجنب ہی لفظ وہاں
بھلے معلوم ہوتے اور ویسے ہی لفظ کی وہاں کچھت بھی ہے۔ بہا یہ
امر کہ قواعد صرف کے برخلاف نہ ہو جیسے ہائے صوبہ بہار میں فعال
میں ایک سین تحقیق اور نون توفیر آخر میں بڑھا دیا کرتے ہیں فلاں شخص
نے فلاں بات کہی تحقیق سے غرض ہوگی تو کہیں گے فلاں بات
کہیں اور توفیر کی جگہ کہیں لگاتے تھے مگر اب ہمیدہ لوگ اجنباب
کرتے ہیں کچھ دنوں پہلے افعال کو بجائے مونث کے مذکر ہی استعمال
کرتے تھے جیسے بجائے روٹی کھائی کے روٹی کھایا بات کہا۔
اسم اشارہ وہ کی جمع (متروک الاستعمال) (وی) بولا کرتے تھے
کل بہ معنی دیر و زیا فردا کے لہجہ میں بھی ہائے ہوز کے ساتھ کلمہ
کہتے بلکہ تحریر میں ہائے ہوز کے ساتھ لکھتے تھے۔ غرض تعریف
فصاحت مذکور الصدر سے غرض یہ ہے کہ الفاظ رکیک کہ ٹھب انکھڑ
بتذل چھوے اور ایسے نہوں کہ کانوں کو بھیانک معلوم ہوں۔
یہ بھی یاد رہے کہ فصاحت کے تین مدلول ہیں لفظی فصیح۔ کلام فصیح
شخص فصیح۔ لفظ و کلام کی فصاحت کی تعریف تو اوپر گذری۔
شخص فصیح وہ کہا جائے گا کہ تقریراً و تحریراً وہ فصیح جملے استعمال کرتا ہو
ایسے فصیح البیان کے لئے لازم ہے کہ لہجہ بھی اس کا درست ہو لہجہ کی
درستی کے یہ معنی ہیں کہ جس لفظ کو جس آواز اور جس ترکیب کے ساتھ بولنا
خوش نما و خوش اسلوب و شیرین و دل پسند ہو اس سے عادتاً

تجاوز نہ کرنا ہو اس کو میں کسی قدر صراحت سے بیان کر نیکی کوشش
 کرتا ہوں۔ واضح ہو کہ کوئی آواز سر سے خالی نہیں ہوتی بلکہ آواز
 بھی سر ہی کا نام ہی علم موسیقی کے ماہروں نے انھیں سروں کی
 پستی و بلندی سے سات سروں پر اس کو منقسم کر کے سرگم نکالا ہے
 اور ہر سر کا ایک نام رکھا ہے ابتدا میں جو سر قائم کیا ہے بہ تدریج
 ایک کے بعد دوسرے کی آواز کو زیادہ بلند رکھتے گئے ہیں وہ ساتوں
 سر جن کا نام سرگم ہی یہ ہیں۔ سر۔ رکھپ۔ گندھار۔ مدھم۔ پنجم
 دھیوت۔ نکھاد۔ صورت اس کی یہ ہے کہ سر کو بمنزلہ ایک جڑ کے
 قائم کر لیتے ہیں اس کے بعد رکھپ کی صدا سر سے بلند تر پھر گندھا
 کی صدا کو رکھپ سے زیادہ بعد اس کے پھر مدھم کی آواز گندھار سے
 پنجم کی آواز مدھم سے اور دھیوت کا پنجم اور نکھاد کا دھیوت سے
 بلند تر ہونے کا نا ضروریات سے ہے اب اتنی بات اور بھی معلوم کر لینی
 ضرور ہے کہ استادان فن نے اسی سرگم کی ترتیب سے راگ اور انگیناں
 نکالی ہیں مثلاً کسی راگ کی یوں ترتیب دیر ہی کہ مقرر کردہ سر کی
 نسبت اضافی کے ساتھ کسی راگ کو مدھم سے شروع کیا بعد کو
 گندھار پھر دھیوت لگا کر سر پر بہ تدریج اس کو تمام کر دیا یا مثلاً سر
 سے آغاز کر کے پنجم پھر رکھپ پھر دھیوت یا نکھاد لگا دیا غرض کہ
 انھیں سروں کے آٹھ پھر اور ترتیب سے راگ اور انگیناں بنائیں
 یہ ترتیب سچھ ایسی سوچ بچار کر رکھی ہے کہ اگر ذرا بھی ترتیب میں بدل

آجائے تو بے سُرے پن کا داغ لگ کر ٹکسال باہر ہو جائے۔ یہاں تک کہ
 جو لوگ اس فن سے ماہر ہیں انھیں پُرخصر نہیں ہی ایسے کن س والے بھی
 جو اس کے علم سے جاہل محض ہیں وہ بھی فطر تاً اس بے ترتیبی سے کھٹک
 جاتے ہیں اس کی مثال قریب قریب عروض انوں اور جاہل موزوں طبع کی تحریر
 اوپر کی سطروں میں لکھا جا چکا ہے کہ انسان کے مُنہ سے جو صدا نکلتی ہے وہ ایک
 سُر ہے اور جب وہ آواز معنی دار ہوتی ہے تو لفظ بولی جاتی ہے اور یہ بھی علوم
 ہو چکا کہ انھیں سُروں کے علی الترتیب و تحت قواعد علم موسیقی استعمال کرنے کا
 نام گانا ہے اور یہ بھی خوب معلوم ہے کہ گانا (خصوصاً چھ گانا) کس قدر اثر نگین
 و مناسب طبائع پر ذی حیات ہے اب یوں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ ترتیب سُروں
 کی جو گانے میں ہوتی ہے وہ تو معمولی تقریر و بیان میں قائم نہیں ہوتی اور نہ
 قائم رکھنے کی ضرورت ہے لیکن شخص فصیح کے لئے یہ ضرور ہے کہ جتنے الفاظ او
 جملے اس کی زبان سے نکلیں قواعد فصاحت سے باہر نہ ہوں ساتھ اس کے
 لہجہ و طرز ادا دل پسند و موثر ہو۔ الفاظ کے جتنے حروف ہوں پوری پوری
 آواز کے ساتھ مُنہ سے نکلیں جملوں میں جتنے الفاظ آئیں یوں نمایاں ہیں
 جیسے عقد مر وارید میں موتیوں کے دانے جہاں جس حرف یا جس لفظ کا
 نسبت اضافی کے ساتھ کھینچنا چاہئے اعتدال کے ساتھ وہاں کھینچے اور
 جہاں برخلاف اس کے ٹھہرنا مناسب ہو وہاں بھی اسی اعتدال نسبت
 اضافی کو مد نظر رکھے مگر یاد رہے کہ حروف عربی جو اردو کے جملوں میں ملے
 ہوئے ہیں اُس میں ح ذع ظ ث س وغیرہ کو ہرگز اتنا نمودار نہ کہے

کہ کانوں کو بھیجانک معلوم ہوں اور بناوٹ کا گمان ہو میں نے مانا کہ اصل زبان میں اُن حرفوں کی آوازیں ویسی ہی ہیں مگر اب تو اُردو زبان میں مل کر وہ لفظ اُردو کا مال ہو گیا اور کثرت مزاولت سے اس کی بھی ضرورت ساقط ہو گئی کہ الف و ع و ح ہ ذ ز ض ط ث س کا فرق دکھایا جائے۔ ایک حملہ کو دوسرے حملے سے ایسا ملانہ دے کہ دونوں میں فرق نہ رہے جن جن لفظوں پر معنائ زور دینا چاہئے اُن پر اُسی ترتیب نسبت اضافی و اعتدال کے ساتھ زور دے جس لفظ پر سامع کو زیادہ توجہ دلوانی ہے اس پر مناسب زور دیکر کسی قدر ٹھہر جائے۔ ان تمام باتوں پر اس طرح حاوی ہو اور یوں ادا کرے کہ کسی کو تصنع اور بناوٹ کا گمان نہ ہو گویا پانی کی ایک سیل ہے کہ خوش نمائی کے ساتھ بہتی ہوئی چلی آتی ہے۔ ان سب باتوں پر مقدم یہ ہے کہ آواز کو شیریں اور لہجہ کو متین و دلکش رکھے ایسا معلوم ہو کہ ایک خوش مزاج محبت بھرے دل کے ساتھ میٹھی میٹھتی باتیں کر رہا ہے بے ضرورت چہرہ مکر نہ بنائے اگر بیان غم ہو تو مضائقہ نہیں مگر حد اعتدال کے اندر ہو تو مناسب ہے۔ جہاں نقل قول میں کسی لفظ کے ڈانٹ کر ادا کرنے کی جگہ ہے وہاں اعتدال کے ساتھ ڈانٹ کر ادا کرے نہ یہ کہ لڑنے لگے نقل قول میں بعض مقام پکار کے آجاتے ہیں اس کی ادا میں صاف معلوم ہو گویا پکار رہے ہیں۔ جتنی باتیں میں اوپر لکھے آیا فرض کیجئے کہ ایک شخص میں پوری پوری ہیں مگر اعتدال نہیں ہے یعنی جماعت سامعین کا لحاظ مطلق نہیں کھتا بے ضرورت اتنا

چلانے لگتا ہے کہ کانوں کو مکروہ اور دلوں کو انزجار پیدا ہو (حالانکہ سامعین کی تعداد اتنی نہیں ہے) یا اتنی پست آواز اختیار کرتا ہے کہ لفظ جلد سمجھ میں نہ آئے اور دوبارہ پوچھنے کی ضرورت پڑے ایسا شخص بھی مورد اعتراض ہے۔ غرض یہ چند معمولی مگر ضروری باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں پائی جائیں گی وہ فصیح البیان کہا جائے گا۔

بلاغت کی تعریف کتب مذکورہ بالا میں یوں کی گئی ہے کہ کلام فصاحت کے ساتھ مقتضی ہو معنی حال کو ہر چیز اسی جامع تعریف کے اندر جتنے اسلوب اور گوشے بلاغت کے ہیں سب آجاتے ہیں مگر افسوس ہے کہ علمائے فن معنی نے اس قدر اختصار و ایجاز سے کام لیا ہے کہ سارے اسالیب بلاغت ایک سرپوش کے اندر ڈھکے کے ڈھکے رہ گئے ہیں مختصر معنی مطول ایضاح یہ جتنی کتابیں فن معنی کی ہیں ان سے قطع نظر کر کے میترس الدین فقیر علیہ الرحمہ کے تصانیف یا خان رزوی کی نعمت عظمیٰ وغیرہ میں تو علاوہ زبان عربی کے زبان فارسی سے بھی بحث کی ہے مگر ان حضرات نے بھی وہی ٹھہری چال اختیار کی ہے جو عربی کتابوں کی ہے۔

مقتضی معنی حال جیسے صاف و صریح الفاظ کو ایک گورکھ چند یا جیسا میں نے اوپر کہا ایک سرپوش کے اندر بند کر دیا ہے۔ مقتضائے معنی حال کی صراحت سے ان کا یہ مطلب ہے بقول بعض اہل قلم کہ مبتدا و خبر کہاں مقدم لائے جائیں کہاں موخر کہاں معرف

بلاغت کی
تعریف

ہو کہاں مگر وہ کہاں مذکور ہوں کہاں مقدر۔ اسناد کہاں حقیقی ہو کہاں
مجازی۔ جملہ کہاں خبریہ ہو کہاں انشائیہ۔ دو فقروں میں کہاں صل ہو
کہاں فصل کہاں اطناب ہو کہاں اختصار۔

میں نے مانا کہ مذکورہ بالا باتیں اسالیب بلاغت کو شامل مگر جو ضروری
اور لازمی باتیں بلاغت کے لئے درکار ہیں ان کا اس صراحت میں کہیں
پتا نہیں۔ واضح ہو کہ بلاغت عربی لفظ ہے جس کا ترجمہ ہماری زبان میں
(پہونچ) ہے اس معنی کر کے کلام بلیغ کے معنی ہوتے پہونچا ہوا کلام یعنی
جہاں تک اوصاف کلام کی بلندی ہو وہاں تک پہونچا ہوا مقتضی
معنی حال سے غرض یہ ہے کہ جو مفہوم ہو اور اس مفہوم کی جیسی حالت اور
جیسا مقتضی ہو کلام میں ان سب اسلوبوں کو اس طرح اور اس عبارت
کے ساتھ ادا کرے کہ صہلیت ہاتھ سے نہ جائے فرض کرو ایک مصور نے
زید کی تصویر کھینچی زید خوبصورت نہیں ہے مگر وہ تصویر کسی خوبصورت شخص
کی ہو گئی یا مثلاً زید دبلا پتلا آدمی ہے مگر تصویر سے مٹا پانمایاں ہے یا مثلاً
خیالی تصویر کھینچی اس طرح پر کہ اعضا کی ترتیب کو مد نظر نہ رکھ کر پاؤں کو
ہاتھ کی نسبت اور ہاتھ کو پاؤں کی نسبت موٹا یا پتلا کر دیا۔ یا مثلاً بیان
تو کسی مفہوم داغ رسیدہ کا ہے مگر سہو اطریقہ ادا وہ رکھا کہ معلوم ہو کسی صاحب
شادی کا ذکر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ فی زمانہ جس کو ان نیچرل یعنی برخلاف
فطرت کہتے ہیں یہ بات نہ ہو بلکہ جتنے اسلوب اس جملے میں ہوں سب کی
ترتیب فطرتاً ٹھیک ہو اس مختصر میں اتنی تو گنجائش نہیں ہے کہ مثالیں بکیر

سائے اسالیب بلاغت کی تشریح کی جائے یا اس ہجہ آگے بڑھ کر چند مثالیں
ایسی مذکور کی گئی ہیں جن سے ایک ذہین محصل کے خیال کو وسعت ہو جائے
واضح ہو کہ بلاغت کی تعریف میں یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ فصاحت اس کا
جزو لا ینفک ہے کیسا ہی ^{بسیح} ہو چکا ہو کلام کیوں نہ ہو اگر اس کے الفاظ صحیح
نہوں گے تو بلاغت سے گر جائے گا۔ اس لئے ذیل کی اکثر مثالیں کہیں
فصاحت کے متعلق ہیں کہیں مشترک ہیں۔

فصاحت کے بیان کی صراحت میں کہا جا چکا ہے کہ حرف پوسے پوسے
ادا ہوں فرض کیجئے کہ بضرورتِ نظم کوئی ان کو دبا کر استعمال کرے تو
فصاحت باقی نہ رہیگی مثلاً حمزہ یا پنجہ دونوں صحیح لفظ ہیں لیکن
یوں نظم کئے جائیں ع جعفر کو جو دیکھا ہے تو اب
حمزہ کو دیکھو یا ع وہ پنجہ علم کا ہے تو وہ شقہ علم کا
تو مصرع کی فصاحت باقی نہ رہیگی پھر بلاغت کہاں۔ اسی طرح ع
اللہ پہ تو ایسا بھی لایا نہیں ہے۔ اس مصرع میں دو لفظ دبا کر آئے اللہ اور
لایا اس لئے نہ فصاحت رہی نہ بلاغت لیکن تکرارِ تعجب انگریز جملے و
خطاب میں (خصوصاً لفظ سے کے ساتھ) اسی اللہ کا دب کرنا کلام کو
فصیح تر بنادیتا ہے ع اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوجہی ع
اللہ سے تراطنظنہ او ظالم غدار۔ برخلاف حفظ مراتب سے زیادہ
بلاغت میں داغ لگاتا ہے کیونکہ مقتضائے حالت کے بالکل مخالف ہے
در اصل شتر گریہ یعنی کہیں اونٹ کہیں بلی اسی کا نام ہے مثلاً جس میں ہجرت

کے تمیز دار لڑکے باپ یا اور بزرگوں سے تم کے لفظ سے خطاب نہیں کیا
 کرتے وہاں تم کر کے خطاب کرنا جیسے ع پھر باپ سے کہنے لگا تو تم تو کہو کچھ
 مگر جہاں اس کا رواج ہے اس سو سیٹی کے اعتبار سے برخلاف بلاغت ہوگا
 مذکورہ بالا مقام پر یوں کہنا بلاغت ہے ع پھر باپ سے کی عرض کہ کچھ
 آپ تو فرمائیں یا ع کی عرض کہ حضرت بھی تو ارشاد کریں کچھ -
 حشو (یعنی بیکار لفظ کا نظم کی کھپت کے خیال سے لانا) برخلاف بلاغت
 ہے مثال سے زینب نے کہا روز نہ تم تشنہ لبی سے یہ فرمایا سیکھنے نے اس اپنی چھوچی
 اس شعر میں دو عیب ہیں ایک تو مصرع دوم میں "اس اپنی" کی مطلق
 ضرورت نہیں یوں کہہ سکتے تھے ع کی عرض کیکنے نے یہ تب وکے
 چھوچی سے - دوسرا عیب شتر گربہ ہے یعنی برخلاف مقتضائے حال
 چھوچی کی زبان سے لفظ کہا یعنی زینب نے کہا اور کھتی کی زبان سے
 فرمایا استعمال کیا ازاں قبیل یہ مصرع - بندہ نے نہ پہچانا کھیں
 اس گھڑی یا شاہ - بندہ بمقابلہ خدا یا معبود کے حقیقی معنی رکھتا ہے
 اور بزرگوں اور بڑوں کے مقابلہ میں مجازاً بولتے ہیں اسی جگہ قرین
 بلاغت یہ ہے کہ بندہ درگاہ یا بندہ حلقہ بگوش مرکب کر کے استعمال
 کیا جائے بحالت مفرد غلام یا خادم کا لفظ لانا زیادہ تر مناسب قرین
 بلاغت ہے اور بادشاہ کو تم کر کے مخاطب کرنا بھی چھوڑ اپن ظاہر کرتا ہے -
 واضح ہے کہ جہاں ظہار عقیدت و محبت کا جوش ہوتا ہے وہاں
 تم پر کیا منحصر ہو تو تک استعمال کر جانا بلاغت کے تحت میں ہے مگر

یہاں جوش کیسا بادشاہ کو ہنوز پہچانتا تک نہیں ہے۔ ایسے مقامات کو خود مذاق سلیم قبول کر لیتا ہے۔

یا مثلاً جملہ کی ترکیب کو فارسی مرکبات سے ایسا پیچیدہ کر دینا کہ معمولی مضمون

ادق ہو جائے اور معنی میں کوئی کُسن نہ پیدرا ہو بلکہ اردو کا علم فارسی کا جملہ ہو جائے جیسے ع تا ر نظر مرد مکب غول بد اطوار

ازبان کا الگ خون ہوتا ہے اور بلاغت کی نازک گردن گراں باری سے

جدرا ٹوٹی جاتی ہے پھر غول جس کی صفت گم راہ کرتا ہے اس کو بد اطوار

کہہ دینا کیسا بجد پان ہے تو آلی اضافت کو علمائے فن نے مستحسن نہیں

سمجھا ہے چنانچہ مختصر معنی میں اس کی بحت کو ادھور اچھوڑ دیا ہے یہ

کہہ کر اٹلا ماشاء یعنی کہیں کہیں مستحسن بھی ہے حقیقت

میں اس کی تھوینہ بھی مذاق صحیح و سلیم ہی کر سکتا ہے

یعنی تو آلی اضافت سے جہاں شان موصوف کی بڑھتی

جائے اور عبارت چست اور اپنے رتبہ میں بلند ہوتی جائے وہاں ^{فقط}

جاننے ہی نہیں بلکہ متانت اور عبارت کی شان و منزلت بڑھ جاتی ہے

مثلاً ان دونوں شعروں کے مصرع اول میں تین تین اضافتیں ہیں

۱۔ قیامت پائمال جلوہ رفتار دلبر ہے۔ جو اس کا نقش باہر بیچہ

خورشید محشر ہے دوسرا شعر ۲۔ اللہ کے صفائے بیان چہ دست

دم بند ہے فصاحت اہل حجاز کا۔ مذاق صحیح و درست پہلے شعر کی

تو آلی اضافت کو نامقبول اور دوسرے شعر کی اضافتوں کو مقبول

کیسا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اگر اور بھی گنجائش ہوتی تو دو ایک اضافت اور بھی بڑھ جاتی ملا کل محمد مکرانی کا فارسی شعر باعتبار معنی کے چنداں بلند نہوذیل کے شعر میں انھوں نے جو کچھ کہا ہے اُس کے معنی یہ ہیں کہ میں اپنے معشوق کے لعل لب کی شیرینی کی تعریف شہر کے اندریوں کی کہ (شہر ماکر) جلوایوں نے اپنی دکانیں بنا کر لیں مگر تو الی اضافت ہی نے اس شعر کو ایسا بلند کر دیا کہ بے اختیار واہ واہ منہ سے نکلتی ہی

حالانکہ مصرع اول میں تین کیسی پانچ پانچ اضافتیں ہیں ۵
 حدیث لذت لعل لب شکر فشان او۔ یہ شہر افگندم و شکر فروشان او
 دکان بستم۔ اس جگہ تو الی اضافت کو دل کیوں پسند کرتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ قانون بلاغت کے تحت میں ہی ترتیب یوں تھی کہ ہر مضاف بعد ہر مضاف الیہ کے اپنی شان میں ایک دوسرے سے بڑھتا ہی جاتا ہی برخلاف اس کے ع قیامت پائمال جلوہ زفقار دلبر ہی "پائمال جلوہ زفقار دلبر" معمولی الفاظ ہیں ایک مضاف کے بعد دوسرا مضاف صرف معنی بتاتا ہی شان مضاف کی نہیں بڑھاتا۔ اس مقام پر یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ بعض جگہ اردو میں اضافت بہ ترکیب فارسی لانے سے کلام متین ہو جاتا ہے اور بعض جگہ بھدا مثلاً پسہ سعد کی جگہ سعد کا بیٹا ع تب سعد کے بیٹے نے یہ لشکر کو صدادی بجائے ۶ ع تب یوں پسہ سعد نے لشکر کو صدادی مصرع اول نسبت مصرع دوم کے صاف بھدا ہے۔ برخلاف اس کے بعض جگہ ہندی ہی کی خوب نما

د دل پسند ہوتی ہو ملاحظہ ہو ع ہمیشہ زائدے جھک گئے مولا کے پاؤں پر۔
 بجائے ع قدموں پر آ کے جھک گئے مولا کے بھانجے۔ یوں اسباب
 تیرجیح و جوہات بلاغت کے رو سے بیان ہو سکتے ہیں مگر حق یوں ہے کہ اس کا
 بھی جس قدر مذاق سلیم کو ہوتا ہے بد مذاق یا معمولی مذاق والوں
 کو ہو ہی نہیں سکتا۔

ازاں جملہ رعایت لفظی کی بھرمار سے بھی علی الخصوص جب یہ بات پائی
 جاتی ہو کہ یہ رعایت بے ساختہ ہرگز نہیں بلکہ محض تصنع اور آوردی تو
 اچھے مضمون اور خوبصورت بندش کو بھی خاک میں ملا کر چھپو اور بقتل
 بنا دیتی ہو ع یوسف کی قسم اب نکروں چاہ تمھاری۔ چاہ کی محض
 رعایت سے یوسف کی قسم کھا ہے ہے حالانکہ یہ قسم شاید ہی کوئی کھاتا ہو
 ع بیروں میں بھی مرانا زکبدن ملتا نہیں بیروں کی ایک قسم نازکبدن
 ہے اب اس رعایت سے غریب معشوق کو زبردستی بیروں کے درختوں میں
 ڈھونڈھا جا رہا ہے۔ گویا گلہری کا بچہ جو معمولی ادیمیوں اور شعرا پر منحصر ہیں
 ہر بٹے بٹے ادیب و اساتذہ بھی اس چھپو بے پن کے مرتکب ہوئے ہیں
 مگر بات یہ ہے کہ بڑوں کی بڑی بات ہو کر تھی اس افراط اور بہتات
 سے اُن کے فصیح و بلیغ و متین کلام میں جن کے آگے اس مختصر عیب
 کی گرفت نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی واضح ہے کہ بیساختہ اور دال میں نمک
 کے برابر اگر مخفی طور سے کوئی رعایت لفظی ہو جس سے یہ نہ معلوم ہو کہ
 زبردستی آورد کی گئی ہو تو مستحسن ہے نہ کہ ناجائز مثلاً ع روشن ہے

آفتاب بڑھ کر مرانسیب - بدترین عیوب کلام کا مبتذل و رکیک ہوتا
ہی۔ ابتذال و رکاکت کے معنی بہت وسیع ہیں۔ مختصر یوں یہ کہ
ایسے الفاظ اور محاورے کلام میں نہوں جن کو عوام الناس اور مبتذل
بازاری لوگ بکثرت بولتے ہوں یا ادب باش اور سچی سوسٹی والے
استعمال کرتے ہوں مثلاً عجبے جو واعظ آئیں تو چائنا کروں
رہیں۔ اگر چائنا کی جگہ دھب کا لفظ ہو رکاکت تو باقی ہے گی مگر
ابتذال کسی قدر کم ہو جائے گا از آن قبیل عجب کو ہنستے ہنستے
میں محفل میں دہرا ہو گیا۔ رکیک اور فحش کلام سب سے زیادہ عیوب
اور چونکہ متانت سے کوسوں دور ہوا کرتے ہیں اس لئے (با اینکه
اسا لیب بلاغت کے اندر ہوں) کہہ سکتے ہیں کہ ایسے کلاموں
کو یلیغ کہنا بلاغت کی شان کی توہین کرنا ہی بعض کلام تو چھپے ہوئے
ایسے دیکھے گئے کہ قانوناً جرم میں داخل ہیں ملاحظہ ہوں
شب وصل میں اُن کو چھپڑا جو میں نے چھ۔ وہ شراب کے بولے ہم اچھے نہیں ہیں
اس سے بھی زیادہ فحش تر عجروں کا..... پوٹھی کی
..... شباب میں بعض بعض تو صاف صاف بہا عیش کا
سبق پڑھانے لگتے ہیں (اس کا بیان اقسام غزل میں مفصل آئے گا)
کلام میں اگر قریب قریب عبارت میں عروج و نزول پایا جائے تو بھی
کلام بلاغت سے نکل جاتا ہی مثلاً تمام عرصہ عالم کا بادشاہ
ہی تو ہمارے شہر کا ہر طرح خیر خواہ ہی تو کہاں تو تمام دنیا کا بادشاہ

فحش کلام

عروج و نزول

تسلیم کر لیا اور کہاں اپنے شہر کا خیر خواہ (جو کہیں دوں مرتبہ بادشاہ ہے) ممدوح کو بنا دیا۔

از آں جملہ عیب تناقض ہی مثلاً ع حرارت سے پھنکے جاتے ہیں۔
مثل برف جھتے ہیں۔

عیب تناقض

عیب تقدیم و تاخیر (یعنی جس کو مقدم لانا چاہئے اُس کو مؤخر و کذا بالعکس بھی کلام کو بلاغت سے نکال دینا ہی جیسے ۵ جب پڑی تلوار اُس کافر کا سارا تن کٹا؛ چار آئینہ کٹا بکتر کٹا جوشن کٹا۔ اس شعر میں مضمون مصرع دوم کو مقدم لانا چاہئے تھا کیونکہ چار آئینہ و بکتر و جوشن پہلے کٹ لیتا ہی تب جسم کٹا کرتا ہی از آں جملہ عیب تعقید ہی تعقید اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ مثلاً علم نجوم میں جو ترتیب جملوں کی قائم کی گئی ہے اُس سے تجاوز کرنا معنایاً لفظاً۔ لفظاً مثلاً ع تو نام میرا مجھ سے ہی کیوں پوچھتا۔ سائل بتا۔ پوچھتا ہی خوبی ترتیب سے تجاوز کر کے ہی پوچھتا، استعمال کیا۔ تعقید معنوی کا بیان صراحت سے آگے ہوگا۔

عیب تقدیم و تاخیر

عیب تعقید

از آں جملہ عیب ضعف تالیف ہی یعنی صاف صاف اور سادہ با محاورہ لفظ کی جگہ ناصاف و خلاف محاورہ راجح فصیح کے الفاظ لانا اور تاویل بجا کرنا اور مثال میں فصیح کے متروک الاستعمال الفاظ سے شدہ دینا مثلاً نشہ بالفتح تمام اساتذہ فارس استعمال کرتے آئے ہیں البتہ چند دنوں تک شعرائے ریختہ گوئے بفتحتین نظم کیا تھا مگر اب تقریر

عیب ضعف تالیف

تک میں کوئی نشا نہیں بولتا مگر زبردستی یوں ہی نظم کرنا۔ ضعف تالیف کی اور بھی مثالیں ہیں از آن جملہ ع پیکر محو کو مجھے دیکھ کے غشس آتا ہے۔ محو کو پیکر سے کون سی مناسبت ہی کا ش صورت محو کہا ہوتا۔

از آن جملہ مناسبات سے زبردستی درگزر کر کے لفظ کا بے جگہ استعمال کرنا۔ آگے بیان میں کہیں ذکر تک لڑائی کا نہیں ہے مگر آغاز یوں کر نامتلا ع تیغ زباں سے کہتا ہے راوی یہ داستاں۔ علاوہ بے مناسبت کے تیغ کا شئی ہے نہ کہ کہتی ہے۔

تشبیہ کا غلط استعمال

از آن جملہ برخلاف قواعد تشبیہ، تشبیہ کا غلط استعمال کرنا مثلاً زعفران دہن یا دریا سے زلف وغیرہ۔

عیب بے محل

عیب بے محل یعنی بے موقع لفظ کا لانا مثلاً ہر چہ باد اباد خوف کی جگہ استعمال ہوتا ہے جیسے ع ہر چہ باد اباد کشتی در آب نارا ختم۔ ایسی جگہ یوں کہنا ع ہر چہ باد اباد ہے میری خوشی کا آج دن۔

بجھڑی نسبت

بجھڑی نسبت کا بے جگہ لانا ع پیکر محو کو بھلا سر سے کیا نسبت ہے۔ بھلا شراب کجا قد و قامت کجا یا جیسے ع برق بھی حیراں ہو تیر سے خندہ عارض سے آج۔ خندہ رو خندہ دہن البتہ مستعمل ہے نہ کہ خندہ عارض۔

رکیک و بد نما استعارات

از آن جملہ انکھ تشبیہوں اور رکیک و بد نما استعاروں سے سیدھی سی بات کو پیچیدہ کر کے سادگی کا خون کر دینا اور اپنے نزدیک بلند پر زاری کرنا مگر مطلب کو بھول بھلیاں میں ڈال کر لوگوں سے پہیلیاں بچھوانا بعید القیاس استعارے یوں اختیار کرنا کیچ میں ایسے ایسے لوازمات

ہوں کہ ذہن سلیم الجھ کر رہ جائے اور یہ پتا نہ ہو کہ معنوی خوبی اس سے
کیا بڑھی یا استعارہ کو یوں مذکور کرنا کہ استعارہ نہ معلوم ہو بلکہ
عینیت پائی جائے جیسے کسی پہلوان کا استعارہ کوہ سے کر کے
یوں کہہ دینا عجب کوہ کے دامن میں چھپا جا کے وہ کافر
مقصود یہ ہے کہ اُس پہلوان کے دامن میں چھپا اگر ع اُس کوہ کے
دامن میں چھپا جا کے وہ کافر۔ تو عینیت کا دھوکا نہ ہونا کھلا ڈالا
استعارہ ہو جاتا۔ مذکورہ بالا عیوب بلاغت کی بہت سی مثالیں ہیں۔
اب مثلاً کسی کے بارہ میں یہ کہنا ہے کہ وہ نہایت تیز روی کے ساتھ چلا
اُس کو یوں ادا کرنا ع پاتا بہ پہن کر وہ چلا تیز روی کا تیز روی کو پاتا ہے
سے کیا نسبت ہے اور اس میں معنوی خوبی کیا نکلی ہاں بات بنانا دوسرے

۵۔ ازاں قبیل

سہرہ آہ و فغان نکھوں کا جل ہو گیا دو درنگ خُڑا ایسا کہ بادل ہو گیا
ازاں جملہ ع ناہمی شیطان کی پکڑ ہاتھ میں تلوار یا مثلاً ع چھل چھری
کی طرح سے چھوٹا اُس آتش خو کا دل۔ کتنی بھونڈی تشبیہ ہے۔

تعمیر معنوی

تعمیر معنوی جس کا ذکر اوپر ہوا جیسے ع رہتا ہے رات دن مرے گھر
مثل ماہتاب۔ مقصود معشوق کی نور افشانی سے ہے مگر مثل ماہتاب
کہہ کر معنی کو بعید کر دیا کیونکہ ماہتاب رات دن کسی جگہ نہیں رہتا
ازاں قبیل ایسے مبالغوں کا استعمال کرنا جن کا پتہ نہ زمین میں لگے نہ آسمان میں
واضح ہو کہ مبالغہ کی تین قسمیں ہیں تبلیغ۔ انراق۔ غلبو۔ تبلیغ

سالک کا مایا

اُس مبالغہ کو کہتے ہیں جو قریب القیاس اور ہونا اُس کا ممکن ہو جیسے وہ انسان نہ تھا بلکہ اک دیو تھا انسان کو دیو کہنا مبالغہ تو ہے مگر قیاس کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی آدمی قوی الجثہ ہو کہ دیو دکھائی دے یا جیسے ع تل دھرنے کی جگہ نہ رہی خط شوق میں + مضمون اشتیاق یہاں تک رقص ہوا۔ مبالغہ تو ہے مگر قیاس کہتا ہے کہ ممکن ہے تے اوپر ملی ملی ایسی سطریں ہوں کہ تل لکھنے کی گنجائش نہ رہی ہو۔

انگرا ق اُس مبالغہ کو کہتے ہیں کہ وہ بات قیاس کے اندر تو آئے مگر وقوع اُس کا غیر ممکن ہو جیسے گھوٹے کی سرعت کی تعریف میں کوئی یوں کہے ع تار نفس پہ مثل ہوا دوڑتا پھرے ظاہر ہے کہ دنیا میں ایسے گھوٹے کا وجود ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ گھوڑا انسان کے ڈوسے پر دوڑ سکے مگر قیاس چنداں استبعاد نہیں کرتا تیسری قسم غلو ہے اُس مبالغہ کو کہتے ہیں کہ نہ وہ بات قیاس میں آئے اور نہ وقوع اُس کا ممکن ہو بلکہ محال عقلی و عادی دونوں ہو۔ گھوٹے کی تعریف میں عرفی کہتا ہے

از کام شمرده خط نگاری بد بر نقطہ نوک نیش کتر دم۔ یعنی لے گھوٹے پچھو کے نیش کی نوک کے نقطہ پر تو اپنے قدم سے گن گن کر خط لکھتا ہے۔ فوراً ذہن اس بات کی طرف دوڑ جاتا ہے کہ پچھو کے نیش کی نوک پر گھوڑا کیونکر کا واٹیرن کر سکتا ہے بالکل ہی ناممکن و بعید از قیاس ہے اول الذکر دونوں اقسام مبالغہ میں تو کلام پہا ہوا غلو اس کی بھی دو قسم سمجھ لی جی چاہئے ہر چند اس مبالغہ کی

تعریف ہی یہی ہے کہ محال عقلی و عادی ہو لیکن ایک قسم اس مبالغہ کی یوں ہے کہ باوجود بعید القیاس اور عادت کے بالکل برخلاف ہونے کے ترکیب بیان کی ایسے اسلوب سے ہو کہ بادی النظر میں محال عقلی نہ معلوم ہو جیسے مصرع - جب ٹاپ پڑی خاک سے پیدا ہوا پانی - گھوٹے کی ٹاپ ایسی ٹپے کہ کنواں ہو کر زمین سے پانی پھوٹ سکے محال عقلی و عادی تو ہرگز بادی النظر میں مصرع کی ترکیب سے استبعاد نہیں معلوم ہوتا برخلاف اس کے ۵ تا فلک پھیل گیا آب مے روٹے سے + کف ناپید ہوتا ہر مے روٹے سے - غرض اس کا تصفیہ کہ کس موقع اور کس قسم کا مبالغہ خوشنما و دلکش ہوتا ہے اور کہاں مضمون بھدرا ہوتا ہے علم معنی چنداں مدد نہیں کر سکتا البتہ ذہن سلیم و مذاق صحیح ہی اس کی تمیز کر لیتا ہے اگر مذاق صحیح کے رومے اس مقام پر وہ مبالغہ طبیعت کو انزجار پیدا کرتا ہے تو یوں سمجھنا چاہئے کہ بلاغت کے بھی ضرور برخلاف ہوگا اگرچہ اُس وقت وجوہ عدم بلاغت کے ذہن میں نہ ہوں -

واضح ہو کہ اگر کوئی کلام نقائص بالاسے پاک اور محاسن بلاغت رکھتا ہو تو اُس کلام کی یوں تعریف کی جائیگی ”اس کلام کے سب الفاظ سلیس و شیریں و متین اور محاورہ فصحا کے مطابق ہیں سلسلہ بیان اُس کا درست و چست اور معنی کے اعتبار سے عالی - مقصدائے حال سے ذرا بھی تجاوز نہیں ہے“

مبالغہ کیا ہونا چاہئے
بلاغت چاہو پائے

نام بیخ کی تعریف

کلام بلیغ تہ

اب اگر عبارت مذکورہ سے بھی کوئی عبارت اپنے درجہ میں بڑھی ہوئی ہو تو لامحالہ اسکی تعریف یوں کریں گے اُس جملہ کے سب الفاظ شہرہ موثر تر و نمکین و بامزہ خاص خاص فصحاء اہل زبان جیسے چھپتے محاورات بے تکلفانہ بول جانے کے عادی ہو کرتے ہیں اسی طرح برجستہ طرز ادا ہی نشست الفاظ ایسی عمدہ ہر کہ ذرا ابھی اُس میں تقدیم و تاخیر نہیں کی جاسکتی اعلا درجہ کا حفظ مراتب ہی باعتبار معنی کے اسی وسعت ہی کو یاد دیا کہ زہ میں بندہ ان تمام محاسن کے علاوہ اعلا درجہ کا نتیجہ خیز و فرحت انگیزی جس مضمون کو بیان کیا ہے مالد علیہ کے ساتھ پورا پورا اُس کا حق ادا کیا ہے

ہماری اُردو زبان پر ایک یہ الزام سخت ہے کہ یہ زبان نسبت اولہ اور زندہ زبانوں کے تنگ بہت ہے اور وسیع زبانوں کی یہ خوبی ہے کہ ایک ایک معنی یا مفہوم یا مستمے کے لئے کئی کئی الفاظ ایسے زبان میں داخل ہیں کہ ایک ہی معنی کو کئی طرح کی عبارت میں ادا کر سکتا ہے علاوہ اس کے ذرا ذرا سے فرق میں الفاظ بدل جاتے ہیں مثلاً گھوڑے کی گردن ہے ہماری اُردو میں گھوڑے کے سر کے بعد سے سینہ اور اٹلی پسلیوں تک گردن ہی کہا جائے گا مگر عربی میں متبہی سے اسی گردن کے ذرا ذرا سے فرق کے کئی سونا م گنوائے ہیں۔ ہمارے یہاں سانپ کے یہی چند معمولی نام ہیں کالا گھمن۔ کرتیا۔ ناگ وغیرہ عربی میں ایک ہزار نام تک قلم بند کئے گئے ہیں عربی زبان میں

چھیلیوں کے یہی چند مشہور اقسام زبان زد ہیں رہو، بام، لال پڑا اور بھی
 پانچ سات ہیں مگر عربی میں دو ہزار سے زیادہ نام استعمال میں ہیں ہمارے
 کیاں شکر کے صرف چند نام زبان پر ہیں وہ بھی دوسری زبانوں کے صدقہ
 میں مدعو بادہ وغیرہ مگر عربی کے اویئے اٹھارہ سونا نام گئے ہیں۔ ان میں
 بہترے ایسے نام ہیں کہ ذرا ذرا سی صفت کی تبدیلی سے نام کا بدلنا ضرور ہوتا
 ہے وہاں ایک تلوار کے سات سونا نام مذکور کئے ہیں یہاں نگلیوں پر گئے
 جاتے ہیں کچھ عربی پر منحصر نہیں ہے کہتے ہیں کہ سنسکرت بھی بہت وسیع زبان
 ہے۔ اس کے علاوہ صنائع کے ان کے اوزار، مرکوب و مشروب، مطعم و لباس
 و مسکن وغیرہ وغیرہ میں جتنی چیزیں داخل ہیں اور ان کے جتنے وسیع لوازمات
 ہیں زندہ زبانوں میں ان کے تمام افراد کے جداگانہ نام اس طرح مخصوص
 ہیں کہ ایک نام کا دوسری چیز پر گو اُس چیز کا بھی وہی مصرف یا قریب
 قریب متحد الاشکال ہوں اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ ایک گھڑی ہی کے
 پر زوں کو لیجئے جہاں تک معلوم ہے ہزار برس سے ہمارے یہاں اس کا
 قدم آیا ہے یورپ کی زبان میں اُس کے جتنے پر نے ہیں سب کے الگ نام
 ہیں بیسیوں چرخ و چکر ہیں سب کے آسمان جداگانہ ہیں مگر ہم جب کسی خاص
 پرزہ کو بتایا جاہیں تو دو سطروں کی عبارت خرچ کرنی پڑتی ہے یہ تو
 معمولی چیزوں کا حال ہے چہ جا کہ اصطلاحات علم و فن۔ جو چیزیں غیر ملک
 سے آتی ہیں وہ اپنے اپنے نام بھی اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ ایسی جگہ ہر زندہ
 زبان و لہجہ کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنے لہجہ اور اپنے الفاظ کی مناسبت

کے ساتھ اُن ناموں کی صوت کچھ نہ کچھ بدل کر اپنا کر لیتے ہیں۔
 ظاہر ہے کہ فارسی زبان گو اکثر زبانوں سے ممتاز و شیریں ہے مگر عربی و سنسکرت
 کے برابر وسیع نہیں ہے اُس پر وہاں کے اہل زبان اور زبان دانوں نے
 یورپ کے مخصوص الفاظ کو اندک تغیر کے ساتھ لے لیا۔ تعریف یہ ہے کہ وہاں
 کے زبان داں گو اُن زبانوں سے علماً واقف بھی ہوں مگر جب اپنی زبان
 میں ادا کریں گے تو اسٹن کو اسٹایون ٹیلی گراف کو تلغراف تار برقی کو
 سیم تلغراف اسٹیم کو واپور مشن کو ماشین ہی کہیں گے اگر ان جدید الفاظ
 کی لغت کی کتاب ہو تو شاید غیثات اللغات کے حجم سے کم نہ ہو ہمارے
 کیا باوجود امتداد سلطنت انگریزی کے بجز چند معمولی اسماء کے کسی ایک
 کو بھی اپنی زبان میں نہیں لیا گیا ہاں جو حضرات انگریزی جانتے ہیں وہ بھی
 اپنی زبان بولتے وقت ناچار بعینہ اسی لفظ کو استعمال کرتے ہیں۔
 ہمارے یہاں کی جماعت فصحا (جس کو اپنے اہل زبان موعنے کا دعویٰ ہے)
 چاہتے یوں تھا کہ تدارک اس فروگزاشت و الزام کا کرتی مگر یہاں تو
 یہ حالت ہو کہ تنگ خیالی کے سبب سے خود اپنے ہی اچھے خاصے متعلم زبان
 الفاظ کو بھی کہیں غیثات اللغات دیکھ کر کہیں بنا پر اپنے ہی مذاق کے
 متروک بنا کر اپنی من گڑھت کی بنا پر دوسروں پر اعتراض جمادیا کرتے
 ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ الفاظ متروک بحسب قاعدہ علم اللسان فطراناً زبان
 سے نکلتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک مدت معین میں اجنب اور بھیانک
 ہو کر زبان سے خارج ہو جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے نئے الفاظ ہیں

ان کے استعمال میں اور اور عادت کو زیادہ دخل ہی مفید حشی کی طرح جلد
دام میں نہیں آتے پھر جب آجاتے ہیں تو مانوس ہو کر اجنبیت اُن کی جاتی
رہتی ہے۔

مگر انصاف سے درگزر کرنا نہ چاہئے فصحاء ہند نے اس بارہ میں اپنا
رستہ خود بہت کچھ تنگ کر رکھا ہے مثل مشہور ہے کہ ضرورت مادرِ ایجادات
ہو ساتھ اس کے کہ وہ کوشش و آزادی رائے و خرچ کافی ہر چیز کے
ایجاد و رواج دینے میں لوازمات سے ہیں۔ ہمارے یہاں فطرتاً نہ اس
بارہ میں کہہ رہے ہیں جیسے بڑے بڑے کارخانے ہیں جن کی ضرورتیں ہم کو اپنی
زبان کے وسیع کرنے میں مجبور کر رہی ہیں نہ اہل علم کو اس طرف توجہ ہے کہ
اصطلاحات علمیہ کو اپنی زبان میں لیں اور تحریراً اُن کو پھیلا لیں البتہ
ملک میں جن جن کو شاعری کا چسکا ہے اور محمد و خیالات کے ادا کرنے
کی اُن کو ضرورت ہے بایںکہ اُن کی مادری زبان اُردو اور اُن
کی جماعت میں اس زبان کے فصحا موجود بھی ہیں مگر ایسے لوگ
بھی کسی خاص جگہ کے مٹھی بھر فصحا کی زبان کی تقلید کا پیرا اٹھائے
ہوئے ہیں۔ اُن سے اس بات کی امید رکھنا کہ وہ ترقی و ایجاد الفاظ
میں کوئی حصہ لیں گے قیاس مع الفارق ہے ایسے حضرات خود جو
ہر طرح فصیح و صحیح الفاظ بولا بھی کرتے ہیں بلکہ اُن کے تیز دار اُردو
بولنے والے کثرت سے استعمال کیا کرتے ہیں تنگ خیالی سے اُن الفاظ
کے استعمال کو بھی اس بنا پر غلط بتا دیتے ہیں کہ فلاں جگہ اس لفظ کو

یوں نہیں بولا جاتا۔ حالانکہ اوپر کے بیان میں ضمناً اس بارہ میں کچھ لکھ بھی چکا ہوں اور انشاء اللہ آئندہ تفصیل کے ساتھ اور بھی لکھوں گا۔

میرے مذکورہ بیان سے کوئی صاحب یہ گمان نہ کریں کہ میں کسی خاص جگہ یا جماعت کی نکتہ گیری کر کے تمام قیودات فصاحت و بلاغت کو اٹھا کر خود بتایا جاہتاں ایسا نہیں ہے بلکہ میں تو خود اکثر مقام پر فصحا کے محاورات کی پابندی کیا کرتا ہوں میری غرض یہ ہے (جیسا کہ میں اوپر بھی مجھلا کہہ آیا ہوں) کہ جس جس ملک میں جو زبان بولی جاتی ہے ہر چند یکساں ہو مگر مختلف شہروں کے فصحا کے محاوروں میں چیدہ چیدہ جگہ جگہ کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور ہوتا ہے (یہاں صرف ونحو کے قواعد سے برخلاف بول جانے سے غرض نہیں ہے کیونکہ چاہے کیسا ہی فصیح کیوں نہ ہو اگر قواعد صرفی ونحوی سے تجاوز کر جائے گا تو یقیناً غلط ہوگا غرض بعض محاوروں اور بعض اسما اور بعض مذکر و مونث سے ہے ایسا جزوی اختلاف نہ فقط مختلف شہروں کے طبقہ میں بلکہ مستند ترین فصحا میں بھی (جو ایک ہی شہر میں رہتے ہیں گو بہت کم سہی) مگر ضرور ہوتا ہے بنا بر قول و لامشاحتہ فی الاصطلاح ایسا جزوی اختلاف قابل اعتنا بھی نہیں ہے۔ اس اردو زبان پر کیا منحصر ہے مملکت ایران سے قطع نظر کر کے عربستان کو دیکھو فصحا کے جواز فصیح اللسان مانے گئے ہیں لیکن اکثر جگہ فصحا یمن کے اور ان کے محاوروں میں اختلاف ہو گیا ہے دور کیوں جاؤ قرآن سے سب سے پہلے نظر کرو کہ قرأت میں اختلاف ہیں اس کے لئے نہ ایک دوسرے پر کوئی اعتراض کرتا ہے نہ یہ لازم ہے کہ اہل یمن اہل حجاز کی کل محاوروں میں

تقلید میں اور اگر اپنی خاص جماعت کے محاورہ کی سیروی کرین زبردستی
 مورد الزام بنائے جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کی ضرورتیں نامحدود
 ہیں ایسی تقلید نبھ نہیں سکتی خواہی نخواستی ایسی عام تقلید سے اکثر انسان
 مورد الزام ہوا کرے گا اور اس کو بے وجہ ہمیشہ اوروں کا کاسہ لیس رہنا
 پڑے گا۔ اچھے ستھرے دل پسند چیدہ چیدہ محاوروں کی کہیں کہیں تقلید
 کرنا بیجا نہیں ہے بشرطیکہ اس تقلید کا پورا حق ادا کرے نہ یہ کہ بعض جگہ
 کے فصحا کو اپنے محل پر یوں بولتے ہوئے سنا (کہ فلاں کا حال اب پتلا ہے)
 تقلیداً اغزل کامصرع یوں نظم کیا گیا ع روتے روتے ہجر میں حوال
 پتلا ہو گیا۔ اس قسم کی اندھی تقلید انسان کو ہنسواتی ہے بہر حال
 و للناس فیما یعشقون مذاہب یہ بات بھی یاد رکھنے کے
 قابل ہے کہ مختلف ملکوں اور مختلف قوموں کے خصوصیات و رسمیات
 ایسے جدا گانہ ہوا کرتے ہیں کہ وہی خصوصیت و رسم دوسرے ملک اور
 دوسری قوم میں برخلاف اخلاق و تمیز سمجھی جاتی ہے مثلاً بوسہ لینا یورپ
 بلکہ ایشیا کے بعض ملکوں اور بعض شہروں خصوصاً مملکت ایران و عربستان
 میں ایک مقبول و مستحسن رسم ہے بچوں بوڑھوں ہی کا بوسہ فقط نہیں جوان
 اور دو تیزہ اور مد نظر عورتوں تک کا مجمع میں منہ چوم لینا خسار و دہن
 تک کا بوسہ بہ کمال شوق لے لینا کچھ بھی معیوب نہیں ایک معمولی بات
 ہے۔ مگر ہندوستان میں بڑوں کا قدم چومنا یا بچوں کا منہ چومنا تک تو
 خیر لیکن عورتیں خصوصاً جوان عورت کے رخسار و دہن کو لب غیرہ کا

بوسہ لینا سخت عیب ہے یہاں تک کہ باپ اپنی جوان بیٹی تک کے بوسہ لینے سے
 اہتساب کرتا ہو چہ جاکہ عام مجمع میں اہل تمیز پر مخصر نہیں ہے گنوار سا گنوار
 بھی بے حیائی جانتا ہے۔ ایسی حالت میں تمیز داروں کو لازم ہے کہ اپنے لٹریچر
 تک میں اس کا لحاظ رکھیں نقل قول غیر میں اگر ضرورت آجائے تو کسی قدر
 مجھوری ہے مگر قصداً خصوصاً معشوق کے دہن و رخسار کی بوسہ بازی کو صاف
 صاف غزلوں میں نظم کرنا اور پھر اس کو نہ فقط بے تکلف ہم عمروں میں
 پڑھنا بلکہ بیٹے کا باپ کے سامنے اور باپ کا بیٹے کے آگے سزے لے لیکر
 پڑھنا اور ایک دوسرے کی تعریف کرنا کس قدر رکیک ہے اسی ایک
 بوسہ دہن و رخسار پر کیا ہے صریح طرح سے معشوق و مد نظر کو گلے سے
 چٹا لینا وغیرہ پھر ایسے لٹریچر کو بے تکلف اہل تمیز کے سامنے پڑھنا بھی
 متفقہاً اہل جماعت میں فصیحانہ نہیں ہے البتہ شاعر یا مضمون نگار پر ایسے
 تہذیب و آدابیت سے گزر کر ضرورت اگر ایسے مضمون میں لگے نظم کرے
 اور غلط بحث سے احتراز ہے تو ویسا مضاہقہ نہیں ہے مگر احتیاط یہ ہے کہ
 جو مضمون چھپانے کے قابل ہو چھپا کر بھی اس کو استعمال نہ کرے اگر دیکھے
 تو یہ بھی اعلا درجہ کی بلاغت کے تحت میں ہے۔ میرے اس بیان کے
 جواب میں اساتذہ کی مثال دیکر جائزہ لا استعمال بتا دینا اور بات ہے اور
 کھنڈے دل سے غور کر کے انصاف کرنا اور ہے۔ اساتذہ بلاشبہ ہمارے
 واجب التکریم ہیں مگر ان کے غلط قول ہمارے لئے واجب العمل نہیں
 ہیں اگر یہی ہو تو اصلاح کا رستہ بالکل بند ہو جائے۔

شعر کی تعریف بنابر اقوال علماء ادب عربی

شعر کی تعریف میں یوں کہا گیا ہے کہ شعر کلام موزوں مقفے کو کہتے ہیں کہ قائل نے بالقصد نظم کیا ہو اس تعریف میں آخر کی دو قیدیں زائد معلوم ہوتی ہیں کیونکہ اگر ایک ہی شعر ہو تو قافیہ کا پتا (جسکی تعریف میں کہا گیا ہے کہ پیاد لایا جائے) نہ لگے گا اور اشعار جو بے اختیارانہ انسان نظم کرتا ہے شعریت سے نکل جائیں گے اس لئے تحقیق مقام یوں ہے کہ شعر اسی کو کہیں گے کہ وزن مقررہ میں سے کسی وزن میں ہو رہا مقفے یا بالقصد کہا جانا اس کا وصف اضافی ہے۔

شعر کی ضرورت

چونکہ انسان بالطبع بہ نسبت نثر کے نظم سے مانوس ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی مضمون کو نثر میں ادا کیا جائے اور ہو بہو وہی مضمون لپسند نشست کے ساتھ موزوں کر دیا جائے تو بہ نسبت نثر کے کہیں زیادہ موثر ہوگا اور پر بیان ہو چکا ہے کہ عام طریقہ سے اگر دیکھے تو منہ سے جو آواز نکلتی ہے اسی کا نام شعر ہے اور سروسر ہی کو باقاعدہ نشست دیکھتے تنے کا نام اچھا گانا ہے اور گانا بالطبع موثر ہے اسی طرح الفاظ کو نشست اور ترتیب دیکر وزن مقررہ کے اندر لانے کا نام شعر ہے یہ ترتیب الفاظ بھی اسی طرح طبعاً موثر ہے اس مناسبت کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ جو ضرورت موسیقی

اور گانے کی ہر وہی ضرورت شعر اور شعر گوئی کی ہے۔ یہاں تک کہ کوئی قوم کوئی زبان دنیا میں ایسی نہیں ہے کہ گانے یا شعر گوئی سے خالی ہو۔ اگر بڑے بڑے موسیقی داں اور کلاؤنٹ اور خوش آواز خود جوش میں آکر یاد و سروں کو جوش دلوانے کے خیال سے اپنا کمال دکھاتے ہیں تو ایک محض گنوار اور جاہل سن رسیدہ عورت بھی جلی گھماتے وقت اپنی زبان میں وہ وہ دل کش سر سپدا کرتی اور تائیں نکالتی ہے کہ دل بے اختیار (بہ شرطیکہ وہ آواز سُری ہو اور بول بھی سمجھ میں آئیں) جوش میں آجاتا ہے۔ اگرچہ شعر کو یہ عالم گیر بابت تو نصیب نہیں ہے مگر حضرت انیسرو نے اس بارہ میں اپنا فیصلہ صادر فرمایا ہے وہ بہت ہی صحیح ہے وہ کہتے ہیں کہ گانا بغیر شعر کے محض طعام بے نمک ہے اگر انسان صرف ہا ہا ہو ہو ہی کے سُری لگایا کرے تو اس کا اثر ہی کیا ہوگا جب تک بول نہوں اور بول بھی موزوں موزوں چاہئیں کہ کانوں کو بھلے معلوم ہوں۔

فنون لطیفہ
و شاعری

بعض وسیع لیحاں نثر تک کو بلکہ مصوری وغیرہ فنون لطیفہ کو بھی کھینچ کر شاعری میں داخل کرتے ہیں اور بعض آزاد خیال بلینگ ورس کی تقلید کے اشعار بے قافیہ کہنے کی فرمائش کرتے ہیں مگر ہمارے خیال میں ایسی سوجت ہے نہ آزادی اس لئے یہ دونوں باتیں ہماری بحث سے خارج ہیں۔

یہی بات کہ شعر کے فوائد اور صرف اور کام از رتے فلسفہ کیا ہیں تو یوں سمجھنا چاہئے کہ انسان میں دو طرح کے قوا ہیں ایک رذیلہ و بہیمیدوسرے قولئے ملکوئیہ۔ انسان ان دونوں قوا سے کام لیا کرتا ہے اور انھیں دونوں

قوا کو اعتدال پر رکھنا آدمیت اور دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ انہیں قوا کی بدولت انسان سعادت و شقاوت حاصل کرتا ہے۔

قوائے ملکوئیہ میں مثلاً قوائے شجاعت سخاوت ہمت کرم عدالت خدادستی معرفت الہی مروت جیا خودداری محبت وغیرہ اعلا صفات انسانی میں داخل ہیں اور ذائل میں مثلاً بخل ظلم تعصب بھادروغ گوئی شقاوت نفسانیت ارتکاب گناہ کبیرہ وغیرہ داخل ہیں۔ بالفعل اگر یہ قوا (جن سے کم و بیش کوئی انسان خالی نہیں ہے) معطل ہو گئے ہیں یا کسی سبب سے اصلی و بطوئی یا خارجی کے پتھ میں گرفتار ہو کر دبے ہوئے ہیں تو شعر کا یہ کام ہے کہ دفعۃً (جس قوا کو متنبہ کرنے کے مضمون کا وہ شعر ہے) اُس قوا کو چونکا دے۔ اچھا اور سب طرح سے درست فیض و بلیغ شعر گویا قوائے نیک بد باطنی کے متنبہ کرنے کا آلہ ہے چاہے اس کی تاثیر دیر پا نہ ہو مگر جس قدر جلد اور برقی اثر یہ آلہ پہنچاتا ہے اور کسی میں یہ بات نہیں ہے۔ اس میں بھی جو شعر جس رتبہ کا ہے تاثیر میں کھلی نسبت اضافی رکھتا ہے ساتھ اس کے انسانی طبائع بھی مختلف ہیں اس لئے تاثیریں بھی مختلف ہو کرتی ہیں فرض کرو کہ ایک شخص کے قوائے ملکوئیہ میں سے قوت عدالت دراصل اور قوا کی نسبت بڑھی ہوئی ہے ایسے شخص کے اس قوا کو وہ شعر جو رمبر عدالت ہے بہت جلد چونکا دینگا یا مثلاً فی نفسہ اُس کے قوائے معرفت و عشق الہی قوی ہیں لامحالہ اس مضمون کا اچھا شعر اُس کے قوائے معرفت کو تیز تر کر دے گا۔

ابیرخلاف اس کے لہجے تو اے رذیلہ وہیمیہ کو جوش میں لانے کے اشعار میں مثلاً تو اے فسق و فجور و ہوس رانی کے یاد دلانے اور جوش میں لے آنے کے اشعار میں یا زنان فاجرہ او بازاری کے مخصوص ناز کرشمے نخرے وغیرہ جو محض اپنے پیشے اور زکشی کے لئے ہوتے ہیں کسی شعر میں جستگی کے ساتھ نظم کئے جائیں تو ضرور ہی کہ قوت فسق و فجور کو جوش میں لے آئیں (علیٰ الخصوص نوجوانوں میں یہ قوت قوی ہوا کرتی ہے) ان پر بہت جلد تاثیر ہوگی اور زہر کا کام کریں گے۔

اگلے سلاطین و جنگ جو رہنروانی اور میدان جنگ میں کڑکے کہواتے تھے یا سلاطین عجم اپنی صحبتوں میں شاہ نامہ و جنگ شتم و اسفندیار کے اشعار پڑھوایا کرتے تھے اُس سے یہی تو مطلب تھا کہ تو اے شجاعت و بہادری کو جوش میں لائیں۔ بلکہ ایسے وقت اس ضمنوں کے اشعار بے حد کام دیا کرتے تھے حتیٰ کہ ایک نامر دہی مرد بن کر اپنی جان دے دینے میں پس و پیش نہ کرتا تھا۔ ایسا اثر کسی اور تدبیر سے غیر ممکن تھا تاریخ کی کتابوں میں بیشتر اس کے شواہد ملتے ہیں متوفی کے لئے مرثی اور غم انگیز طرح طرح کے مضامین کے اشعار بھی اس بنا پر تصنیف کئے جاتے اور پڑھے جاتے ہیں کہ سامعین کے قوائے غم کو جوش میں لائیں ایسے مقام پر شخص متوفی کے اوصاف و محامد کو مختلف پیرایہ میں بیان اور نظم کرنے سے یہی مطلب ہوتا ہے کہ متوفی کے ساتھ ہم دردی پیدا ہو کر قوائے غم پر زیادہ تاثیر کرے۔ کم سے کم یہ ہے کہ

رندھی ہوئی صحبت اور افسردہ دل کو اچھا شعر حرکت میں لے آتا ہے اور طبیعتوں کے رنگ بدل دیا کرتا ہے۔ غرض کہ اچھے شعر سے وہ کام لیا جاسکتا ہے جہاں دولت اور تلوار بھی در ماندہ ہو جاتی ہے۔ لغرض شعر کی تاثیر کی ایسی ایسی داستانیں ہیں کہ سن کر انسان کو حیرت ہو جائے (اس سے زیادہ اس بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے انشاء اللہ غزلوں کے ذکر میں اس کے متعلق مضامین ضروری کو عرض کیا جائے گا) شعر کے کام اور مصروف کے بالاجمال سمجھ لینے کے بعد یہ بات بھی یاد رکھ لینی چاہئے کہ یہ کام وہی اشعار دیتے ہیں جو بحیثیت اپنی خوبی کے شعریت رکھتے ہوں ورنہ بعض قوا کے جوش میں لانے کے اور بھی رندھا دیں گے۔

شعر

حکمائے یورپ نے اپنی اپنی زبانوں میں شعر کے داخلی و خارجی اوصاف کے بیان میں بہت کچھ دقت نظر سے کام لیا ہے مگر افسوس ہے کہ میں ان زبانوں کی نابلدی کے سبب اتنا بھر مستفیض نہیں ہو سکا ہوں کہ اس مقام پر اس سے کام لے سکوں رہا ترجمہ تو اہل علم و باخبر حضرات خوب جانتے ہیں کہ اول تو جس افراط سے اس کی نسبت مضامین لکھے گئے ہیں سب کا ترجمہ دشوار ہے دوسرے جب تک کہ خود اس زبان سے ماہر نہ ہو محض ترجمہ اور سنی سنائی باتوں سے وہ بابت پیدا نہیں ہو سکتی جس کی ایسے موقع پر ضرورت ہے۔ با این ہمہ شیخ الکریمی ابو علی سینا اور محقق خواجہ نصیر الدین طوسی سے حکمائے اسلام نے اچھے شعر کی جو تعریف

کی ہر وہ بھی ایک ناقد کے وسعت خیال کے لئے کچھ کم نہیں ہر شیخ صاحب فرماتے ہیں، "هوان يكون الكلام عذب الالفاظ سهل التركيب حسن السبك خالياً عن التكلف والعقادة يكا ديسيل من رفته وينخذ راحداً الماء في انسجامه ولا يتكلف في شئ من انواع البديع الا ما جاء عفواً من غير قصد" مطلب یہ ہے کہ کلام میں شیخ میں الفاظ سہل ترکیبوں کے ساتھ ہوں (نہ کہ پہلی ہو جائے) ذہن پر لانی نہ کریں کلف زائد اور تعقیدوں سے خالی ہوں بندش و محاسن الفاظ سے ایسے رواں ہوں گویا پانی کی ایک سیل ہو کہ رو میں چلی جاتی ہے صنعت بے کلف آجائے تو ہننا نقہ نہیں ہے۔

خواجہ صاحب ارشاد کرتے ہیں، "والشعر التام يحاكي بالكلام الخليل وبالوزن وبالنعمة المناسبة ان قادرنتها والكلام يحاكي اما بالالفاظ والمعنى او بصماوكل واحد منهما اما بحسب جوہرہ او بحسب حیلہ فاما الالفاظ تحاكي بجوہرہا اذا كانت فيصحة جزلة والمعنى تحاكي اذا كانت سهل التركيب لطيفة قريب لفهم والادراك وهما اذا كانت العبارة بليغة ادت حتم المعنى اللطيف من غير زيادة او نقصان واما المحاكات او بحسب الحيل نهي التي تسير بالبديع والصنعة والاستعارة والتشبيه من المحاكات اما الكلام خالياً من المحاكات وسرعة الافهام تسمى خرافات

وہیما تکتون اصلے ،

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ پورا شعر وہی ہے کہ خیال پاکیزہ ہو وزن مناسب رکھتا ہو اگر نغمہ کے ساتھ ادا کیا جائے تو اور بھی لطف دے (یہ بھی معلوم ہے)

کلام باعتبار الفاظ کے یا اپنی خوبیاں بیان کرتا ہے یا باعتبار معنی کے اپنے محاسن کو دکھاتا ہے یا باعتبار الفاظ و معنی دونوں کے اور ان میں سے

ہر ایک محض اپنے جوہر (یعنی صلیت کے) اپنی خوبیاں ظاہر کرتا ہے یا بحسب جملوں کے (اس کی توضیح بعد کو معلوم ہوگی) لیکن یاد رہے

کہ باعتبار الفاظ کے شعر کی جب ہی خوبی واضح ہوگی کہ نصیح و ہر جستہ و سلیس ہو (نہ کہ ذہن کو الجھائے) اور یہ خوبی اُس کے الفاظ کے جوہر

ہی میں ہو اور باعتبار معنی کے تب ہی لائق مدح ہوگا کہ ترکیب سہل ہو لطیف ہو اور قریب الفہم والادراک ہو اور باعتبار الفاظ و معنی کے یلغ ہو

اور جو مضمون اور معنی اس میں رکھے گئے ہیں بے کمی و زیادتی کے پوری طرح اس کا حق ادا کرے (یعنی ادھر ٹپچا جائے اُس کی خوبیاں واضح

ہو جائیں نہ یہ کہ سر کا پسینا پاؤں کو آجائے لیکن ایک معمولی بات کو الفاظ کے اپنے پنج اور بہ ترکیب کے اندر چھپا دیا جائے اور سمجھ میں آئے

حالانکہ اردو زبان میں ہو) پھر فرماتے ہیں کہ ان کے علاوہ جملوں سے بھی شعر کی خوبی ظاہر ہو سکتی ہے اسی کا نام بدیع اور صنعت ہے اور استعارہ

و تشبیہ سے بھی شعر کی خوبی ظاہر کی جا سکتی ہے (اگرچہ یہ چیزیں شعر کے صنف زانگین داخل ہیں) پھر کہتے ہیں کہ جو شعرا ان خوبیوں کو ظاہر نہ کرے

اور سمجھ میں بہ سہولت نہ آئے تو وہ خرافات میں داخل ہو کر چلے لفظ و کلمہ کی
اُس کی ظاہر میں خوشنما ہو۔

مؤلف کا قول

راقم کہتا ہے کہ محقق علیہ الرحمہ نے اپنی عبارت میں حیل کا لفظ اختیار
کیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حیلوں اور زائد تدبیروں سے شعر کی خوبی
ظاہر کی جائے اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ ہے جس کو محقق نے
خود بیان کر دیا یعنی صنائع وغیرہ شعر کے اندر داخل کئے جائیں مگر
قسم حیل کی یہ ہے کہ آواز اور جوارح سے کام لیکر حیل کئے جائیں مثلاً ہنوز
شعر زبان پر نہیں آیا تو اور پہلے ہی آہ اور ہائے کرنے لگے تاکہ سامعین
پر شعر کے دل گزار ہونے کو ثابت کریں یا مثلاً شعر پڑھتے وقت سینہ پر
ہاتھ رکھ رکھ کر دہرے ہو جاتے ہیں یا مثلاً شعر پڑھتے وقت اتوہ
یا ایسا کلمہ استعمال کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ اس شعر میں عیب
ہیں وہاں تک سامعین کا ذہن نہیں پہنچتا یا مثلاً حد اعتدال سے
زیادہ آواز کو پست اور بلند کرتے ہیں یا بہر لفظ کو ماتھوں اور
آنکھوں سے اتنا بتاتے ہیں کہ صاف بناوٹ پائی جاتی ہے اگر یہ تمام
حیل اعتدال سے بڑھ جائیں تو معیوب ہیں نہ مقبول کیونکہ جو شعر اور
اصلیت شعر میں داخل نہیں اگرچہ مذکورہ بالا دونوں اقوال مدعا کے
لئے کافی ہیں مگر پھر بھی واقفیت ناظرین کے لئے عمل کے ادب
و شاعری کے اور بھی چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔ سلامت و روانی
اشعار کی خوبی کو بیان کر کے سکا کی کہتا ہے، السلام اذا احتاج

الایعنی فاعلمہ اناہ بکامعنی جب کوئی کلام پڑھنے کے بعد معنی بیان کرنے کا محتاج ہو جائے (یعنی سامع کی سمجھ میں نہ آئے تو سمجھ لو کہ بے معنی ہے)

عبدالرحیم خان خاناں (جو کئی زبان کے عالم و شاعر تھے اور جن کے خوان فیض سے ملاحظہ ہی ملا عرفی وغیرہ وغیرہ نامی گرامی اساتذہ نے پرورش پائی) ان کا قول ہے کہ انچھ من دریک بار نفہم باید دانست کہ مہل بہت -

ملا رشید الدین و طوطا کہتا ہے کہ کلام منقسم بر دو قسم است یکے آنکہ الفاظ و ترکیبش مطابق قاعدہ فصاحت و از غایت فصاحت و بلاغت بحریت بے کنار و قسم دیگر کہ از قواعد فصاحت و سلاست دور افتادہ حضرت ایست پر از قازورات اسی بنا پر انوری کے بعض مشکل ترکیبوں کے شعر کے بارہ میں (الرحیم ایسے شعر بہت ہی کم ہیں) کہتا ہے کہ او شاعر نیست چیتاں کہ بہت، بعض نے پڑ کر ایسے اشعار کی نسبت جس میں علاوہ چیدگی کے الفاظ بھی ثقیل ہوں خود صاحب کلام کی شان میں کہا ہے

برعینش بشاش و بر الفاظ اوبیری

ملا ابوالبرکات آسنی اپنی کتاب عقد اللسان میں جو کچھ لکھ گئے ہیں اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو، وصف ذاتی شعر کا یہ ہے کہ معنی بلند کے ساتھ ترکیب ادا سے تصویر کھینچ جائے اور بلاغت کے تمام حق ادا کئے جائیں الفاظ اور ترکیب ایسی مہل و رواں ہو کہ اس زبان کے سب بولنے والے سمجھ لیں کہ

یہ کلام ہماری زبان میں ہر چیز حین نابلدی کے سبب اُس کی خوبیوں کی پوری طرح نہ سمجھ سکیں۔

فاضل یزدی علامہ جلال الدین دوانی کے اس مطلع کی شرح میں روئے بکتا کہ جہاں صورت انکار گرفت ہے صیقلی زن کہ مرآئینہ زنگار گرفت کہتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وصف ذاتی شعر کا یہ ہے کہ الفاظ فصیح والوں کی ترکیب آسان بلوغ کے ساتھ نشست جلوں کی ایسی ہوں اور آسان ہو کہ سننے والوں پر گرائی نہ کرے۔ علامہ موصوف کی تعریف میں کہتے ہیں کہ علامہ دوانی کا یہی بہت بڑا کمال تھا کہ مسائل مشککہ فلسفہ اخلاق کو ایسی آسان اور سہل بندشوں کے ساتھ نظم کرتے تھے کہ ہر بچہ خواہ سن کر وجد کرتا تھا۔

ملاحظہ فرمائیں اپنی کتاب مخزن الفوائد میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو ہر ذاتی شعر کا یہی ہے کہ جب پڑھا جائے سننے والوں کے دلوں کو انشراح بخشنے اور قلوب کو جذب کرنے کے لیے نہ یہ کہ شرح کرنے کا محتاج ہو یا جیلوں کے ساتھ اُس کی خوبیاں بتانے کی احتیاج ہو (واضح ہو کہ خارجی جیلوں کی شرح محقق مطوسی کی عبارت مذکورہ بالا میں آچکی ہے اور راقم نے بھی اُس کی توضیح کر دی ہے) اس جگہ ملاحظہ فرمائیں ایک نکتہ ایسا معقول بیان کیا ہے کہ یاد رکھنے کے قابل ہے وہ کہتے ہیں کہ بعض اساتذہ مشہور مثلاً فاقانی کے چیدہ کلام میں نقص جو دیکھتے ہو کہ محتاج شرح ہو گیا ہے اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ وہ ترک نژاد ہے اکثر الفاظ اور جملوں کی ترکیب ایسی

آگئی ہو کہ عیسیٰ فارسی بولنے والے ترک استعمال کیا کرتے ہیں اگر یہی خاقانی
 شیرازی یا اصفہانی ہوتا اور ویسے ہی محاورات بولتا جسے شیرازی اصفہانی
 بولتے ہیں تو اتنی دقت نہ ہوتی۔ عربی بیشک شیرازی فصیح اللسان ہو اس
 کی فصاحت و سلاست اس کی غزلوں میں دیکھو کمال روانی سے یہ حال
 ہو جیسے فی الواقع فصحا باتیں کرتے ہیں۔ یہ قصائد کے مشکلات تو اس
 کی حالت جدا گانہ ہر نفس عبارت اور الفاظ کے الٹ پھیر کی بدولت کلام
 ادق نہیں ہو گیا ہو بلکہ مسائل علمیہ و اصطلاحات مسائل عقلیہ و تلمیحات
 و باریکی و قدرت تشبیہات و استعارات کے سبب اتنی بھر دقت (وہ
 بھی غزلوں میں نہیں بلکہ قصائد میں) بہ مجبوری ہو گئی ہو (اس کے بعد لکھتے
 ہیں) اگر یہی دقت و مشکل عبارت کی مستحسن ہوتی تو لامحالہ قرآن شریف
 کی عبارت ایسی ہی غامض اور پیچیدہ ہوتی اس کی فصاحت و بلاغت
 کا (جس کو دوست و دشمن سب مانے ہوئے ہیں) یہی تو معجزہ ہے کہ ایسے
 ایسے باریک حکمت اخلاق و غیرہ وغیرہ کے کل مسائل (جس کی اب
 تک کئی ہزار تفسیریں اور شرحیں لکھی گئی ہیں اور ہنوز کل خوبیوں تک
 علماء ادب پہنچ نہیں سکے ہیں اور ہر وقت بھی ناقہ بخیر نی نی خوبیاں اس میں پاتا
 ہے) ایسی سلاست و شیرینی اور آسان محاوروں اور انتہا درجہ کے دل پسند
 شستہ الفاظ کے ساتھ ادلکے گئے کہ چملائے عرب تک پڑھنے کے ساتھ متاثر
 ہو کر ہذا کلام اللہ کے نغمے مارنے لگتے تھے۔ پھر قرآن سے
 بڑھ کر کہا ہے لے اور کون سی عمدہ مثال ہو کہ ادب و انشا میں ہم اس کی پیروی

قرآن شریف کی
 سہولت

کریں تم کلامہ۔ غرضکہ حکمائے معقولات و علمائے ادب کے معقولات اس بارہ میں اگر جمع کئے جائیں تو ایک حجیم کتاب بھی اس کے بیان کو کافی نہ ہو۔ بعض مدعیان بر خود غلط جو شاعر کا معیار کمال یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ جلد اُس کے کلام کا مطلب سمجھ میں نہ آئے اور محتاج بہ شرح مطالب ہو یہ ان کی قواعد اصول فن سے نا بلدی ہی ساتھ اس کے ایسے پیچیدہ مطالب کے شعرا کے معنی و مطلب کے حل کرنے کو اپنا مایہ تیر و واقفیت بن سمجھے ہوئے ہیں اگر ان کا یہ دعو قبول بھی کر لیا جائے تو اس سے زیادہ اس کی وقعت نہیں ہو سکتی کہ شخص اول چیتاں اوپر میلیاں خوب کہتا ہی اور شخص دوم اس کو بوجھتا بھی خوب ہی۔ لیکن یہ بھی نہ ادعوا ہی دعوے ہی اکثر ذکی لطمع وہ پہیلیاں پہلے ہی سے بوجھ چکے اور اُس کی شرح لکھ چکے ہیں۔

علمائے فن ادب نے متقرائے تام کے ساتھ عبارت کی عمدگی کا معیار جن لفظوں کے ساتھ کیا ہی مناسب مقام یہ ہو کہ یہاں درج کر دیا جائے وہ لکھتے ہیں کہ خوبی عبارت کی یہ ہو کہ عبارت سلیس و متین و شیرین و نمکین با محاورہ و فصیحے با تمکین و تشبیہات صداقت اساس و استعارات قریب القیاس (اگر صنائع لائے جائیں تو پچیس صریح اختصارات فصیح کلمات عشرت انجیز یا موقع کے ساتھ عبارات حزن آمیز و درد خیز قوافی نیست و درست لطائف پسندیدہ محاورات و نکات چیدہ و برگزیدہ مصطلحات شیریں مقدرات دل نشیں ہوں۔

با ایں ہمہ بھی حقیقت میں طبع سلیم و ذوق صحیح بہت بڑی کسوٹی اور معیار

ہی جس کے متعرا کرنے کے بعد مذکورہ بالا معیار قائم کی گئی ہے۔ تجربہ شاہد
ہی کہ مذاق سید چب جب کسی شعر یا عبارت کو سنکر فوراً واہ واہ کرنے لگتا
ہو اگر اس پر علماً غور کیا جائے تو مذکورہ بالا کم و بیش خوبیاں اس میں ضرور ہوں گی
میں اوپر بھی لکھ آیا ہوں اور پھر بھی لکھتا ہوں کہ مذاق بہ مختلف ملک اور
قوم کے جداگانہ ہوا کرتے ہیں اور جس زبان اور جس ملک اور جس قوم کے
قواعد ادب و شاعری مرتب ہوتے ہیں وہ وہیں کے فصحا و بلغا اہل مذاق
کے استعمال کے مطابق ہوا کرتے ہیں گو اکثر یا بعض قواعد بطور عامتہ الورد
کے دوسری زبان کے بھی موافق ہو جائیں اور یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ
اب تک ہماری اردو زبان کے قواعد ادب کما یلیق بشانہ جامع و مانع
ایسے مرتب نہیں ہوئے ہیں کہ خاص اس ردو بولنے اور انشا پردازوں کے
مناسب ہونا چاہو حضرات عربی زبان میں سواد رکھتے ہیں وہ انھیں
متداول کتابوں تاخیر ایضاح مختصر معنی و مطول یا علامہ شمس الدین
فقیر کے کتب خواہ خان آرزو کے رسائل فارسی سے مدد لیا کرتے ہیں
یا سب معلقہ وغیرہ کی شرحوں سے استفاد کیا کرتے ہیں اور اس بارہ
میں اقمی وہ مجبور بھی ہیں حالانکہ اکثر جگہ شریات و ادبیات میں عربی
زبان اور اردو زبان کے مذاق سے فرق تین و ہون بعید ہو جاتا ہے
چنانچہ ادبی النظر میں جہاں جہاں ایسا اختلاف پایا جاتا ہے میں یہ
میں اس کو بیان کرتا ہوں۔

نمونہ کے طور پر فن عروض کی بحرؤں پر نظر کیجئے اہل عرب نے مطابق اپنے

مذاق واوزان طبعی کے اصول افاعیل کے الٹ پھیر سے انیس بحریں اور پھر
 اصول افاعیل کو کاٹ چھانٹ اوکم و زیاد کر کے ان کے کثیر التعدد زخافات
 قائم کئے ہیں اہل عجم نے جو اکثر انھیں کی تقلید پر چلائے ہیں بعض بحریں اور
 بعض زخافات خود بھی ایجاد کئے ہیں مگر وہ محض طبیعت داری ہر اس لئے علمائے
 عروض ان کو جزو غیر منفک عروض میں محسوب نہیں کرتے بہر حال ان انیس
 میں بعض بحریں اور اکثر زخافات اردو گوئیوں کے اوزان طبعی و مذاق سلیم کے
 بالکل مخالف ہیں مثلاً بحر طویل چار فاعول و مصفا عین اور بحر مدید چار
 فاعل و تن فاعلن بحر بیضا چار مستفعلن فاعلن پر اور بحر بافراظم مفعلن
 پر ایسی طرح اکثر اوزان میں پھر یہ بھی ہے کہ کسی جا چار رکن کی جگہ دو ہی رکن پر کما
 کر دیئے ہیں اردو کا مذاق اس سے میل نہیں کھاتا اس کے علاوہ دونوں
 زبانوں میں بیت کے دو ٹکڑے ہوا کرتے ہیں جن کو مصرع کہتے ہیں بنا بر
 مذاق اردو فارسی کے دونوں مصرعوں کے ارکان برابر برابر ہونے چاہئیں
 مگر عربی میں دونوں مصرعوں کا گھٹ بڑھ ہونا بھی پسندیدہ ہی یہاں تک
 کہ ایک مصرع میں ایک ہی رکن اور دوسرے میں سات اور اگر مثنیٰ نہیں
 مسدس ہی تو پانچ اور مرتبہ ہی تو تین رکن لاکر بیت کو پورا کر دیتے ہیں اور
 نہایت متلذذ ہوا کرتے ہیں۔ اردو میں مذاق کے سخت مخالف ہے۔

از انجملہ اشعار میں ردیف لانا بنا بر مذاق اردو نہایت پسندیدہ اور کانون
 کو بھلا معلوم ہوتا ہے اہل عرب کے مذاق کے بالکل ہی برخلاف ہے اس لئے
 عربی زبان میں اشعار بہت کم مردف ہوتے ہیں اگر بطور اردو کہا بھی

جاتا ہے تو بہت نامانوس معلوم ہوتا ہے۔

قافیوں پر نظر کیجئے بنا بر مذاق اردو و صرف قید کا اختلاف کسی طرح پسند نہیں ہو کون با مذاق اردو گو بجز کا قافیہ شعر لائے گا مگر یا اینکه مخارج تک میں حد سے زیادہ اختلاف ہو مگر جائز و دل پسند ہے۔

مذاق اردو کے مطابق قافیوں میں اختلاف صرف رد و توجیہ و نحو و عیب ہی بھلا کون اردو گو شاعر ہی کہہ کہ کاب کا قافیہ کیسے لانا پسند کرے گا۔ انواع تشبیہات و استعارات و کنایات و مجاز و بدائع میں بھی اکثر اختلاف مذاق بجز عبارت میں تکرار قوافی کو بہت مستحسن جانتے ہیں مثلاً: *لست لست لست* اگر آٹھ آٹھ اٹھ بھی ایک جگہ متصل جمع ہو جائیں تو قابل مزح سمجھا جاتا ہے مگر اردو میں ایسا کیا جائے تو دیو کی زبان سمجھی جائے۔ تشبیہات میں معشوق کے فندق کو لال سر والی چوٹی خال معشوق کو اونٹھ کی میگی سے تشبیہ دی جاتی ہے اردو کے مذاق میں بچہ قریح و برخلاف بھاکھا کے وہاں فندق کی تشبیہ بیہوشی سے دی گئی ہے البتہ تشبیہ اردو کے مذاق سے چنداں نامانوس نہیں ہے۔ اسی طرح بعض صنائع ہیں جو یہاں کے مذاق کے بالکل برخلاف ہیں جس کا جی چاہے فن بریح میں ملاحظہ کر لے۔

اصل یہ ہے کہ صنائع بھی وہیں تک اور وہی پسندیدہ ہو سکتے ہیں کہ جو یہ کلام معنی فصاحت و بلاغت و سلاست وغیرہ مذکورہ بالا محاسن میں داغ نہ لگائیں اور محض آردنہ معلوم ہوں ورنہ ٹھیک

حرف قید

تلافی صرف

تشبیہ و استعارہ

صنائع

ٹھیک وہی مثال ہو جائیگی کہ ایک کالی کلوٹی بہہ سیت بہ ترکیب محمدیوں
 سے بھری ناخروس بڑھیا کو قیمتی زیورات سے لاد دیا جائے برغلاف ایک
 حسین زیباطعت دل کش صورت شباب والی عورت کے۔ فرض کو رو
 کہ اگر اس کے بدن پر زیور نہ بھی ہوں تو صل جو بہ حسن ہی اس کا دل کشی
 و جذب قلوب کے لئے کافی ہے۔ ہاں اگر مختصر طور سے اتنے زیور قیمتی رکے
 اُس کے حُسن کو ڈھانک نہ دیں پہنائے جائیں تو نور علی نور ہے۔

تصرفات شاعرانہ میں شعرا جن چیزوں کے مجاز ہیں اور بنا براسی کے
 شہور ہے یہ بھی ذللشاعر ماکالاجوز لغیرہ اُن کو علامہ زرخش نے
 ایک قطع میں جمع کر دیا ہے ضرور ذللشاعر عشرہ عشرہ احد
 جملتها وصل قطع و تخفیف و تشدید و قصر و مد
 و امکات و تحریک و منع صرف و صرف منع و تعدید
 ما مل طلب یہی کہ ضرورت شعر کے خیال سے شاعران دس
 تصرفات کا مجاز کر دیا گیا ہو اول وصل یعنی کسی لفظ میں کسی حرف کا
 بڑھادینا جیسے فارسی میں (بر کا لفظ بمعنی اوپر) اصل لفظ ہر مگر نظم
 کی ضرورت سے ایک الف اول میں لگا کر (ا بر) کر دیا دوسرے
 قطع یعنی کسی لفظ سے کسی حرف کا کھٹا دینا مثلاً اگر حرف شرط
 میں سے الف کو گزرا کر (گر) اکنوں کو (کنوں) کر دینا تیسرے
 تشدید یعنی لفظ کو مشد د کر دینا جیسے فارسی میں دُر بے بہا تخفیف
 مستعمل ہو اُس کو دُر بے بہا کرنا چونکہ تشدید والے لفظ سے تشدید

نکال دینا جیسے آدمیت میں سے یا مشد علیٰ ہذا کیفیت کی تشدید
 نکال دینا یا پانچویں مد والے لفظ کو قصر اور چھٹے قصر والے لفظ کو مینا
 دونوں کی مثالیں راقبا بہ بالمد کو آفتابہ بقصر یا آیاری بمعنی
 پانی سیجنا کو ایاری کر دینا یا جیسے بعض نے اردو میں بھی آنکائی کو انگنائی
 نظم کر دیا ہے۔ ساتویں ساکن کو متحرک آٹھویں متحرک کو ساکن کر دینا دو لڑ
 کی مثالیں متحرک کو ساکن کرنا جیسے پہن بالفتح کو متحرک امیر خسرو
 محل ترانہ لالہ بروئے چمن چون گل سعدی بہ گرد پہن سعدی
 چناب پہن خان کرم گسترد اور ساکن کو متحرک کرنا۔ سلمان ساوجی
 قبض گشتہ برچرخ روح ملک۔

رہا صرف منع و منع صرف یہ عربی کے سوا فارسی و اردو میں نہیں ہوتا
 اس اختصار کو فارسی والوں نے بہت کچھ برت دیا ہے مثلاً اندوہ کو
 اندہ کوہ کو کہہ گروہ کو گرہ ہنوز کو ہنزر خوش کو خش ہرگز کو ہگز وغیرہ
 وغیرہ مگر اردو میں بعض کے سوا ان تصرفات نے رواج نہ پکڑا اور جو
 تصرف راجح نہ ہو اس کا استعمال صحیح نہیں ہو سکتا اردو میں انھیں جیسے
 چند الفاظ نے رواج پکڑا مثلاً گوہر کی جگہ گہر ناگاہ کی جگہ ناگہ چاہ کی
 جگہ چہہ شاہ کی جگہ شہ ماہ کی جگہ مہ وہاں کی جگہ وہن افلاطوں کی
 جگہ فلاطوں افغان کی جگہ فغان یا بعض مشد الفاظ کو بے تخفیف
 لائے ہیں جیسے نظارہ کو نظارہ کیفیت کو بے تخفیف کیفیت اور ایسے
 ہی چند مصادر بھی ہیں فارسی والوں نے بعض الفاظ عربی کے اعراب کو

بھی بضرورت قافیہ بدل دیا ہے جیسے کافر کو بفتح فا افسر کا قافیہ کر دینا چاہیے
اُردو گوئیوں نے بھی اُس کی تقلید کی ہے۔

کتاب سالۃ المعجم فی اشعار المعجم میں محمد ابن عیسیٰ نے مذکورہ بالا مضمون کے
بیان میں سیبویہ مشہور نحوی کا ایک قول نقل کیا ہے جس کی بعینہ عبارت
کا ترجمہ فارسی میں ملا محمد خائفی نے اپنی کتاب مخزن القوائد میں لکھا ہے
میں اُردو میں اُس کا ترجمہ درج کرتا ہوں سیبویہ کہتا ہے کہ شعرے عرب
وعجم نے وقت ضرورت و موقع اضطرار میں نظم میں لفظوں کے اندر
حروف کو کم و زیادہ کر دیا ہے اس کے علاوہ حرکات میں بھی تصرف
کیا ہے۔ پس جاننا چاہئے کہ وہ لوگ اپنی اپنی زبان کے محاورہ داں
اور اپنے محاوروں کی فصاحت و بلاغت کو خوب سمجھتے تھے
جب تک اُن کے مذاق صحیح نے کوئی معقول اور درست وجہ نہ دیکھی
ہوگی یہ تبدیل و کمی و زیادتی نہ کی ہوگی۔ غیر زبان والوں کو نہ چاہئے
کہ آنکھیں بند کر کے اُن کی تقلید کریں مثلاً لفظ (بر) کی جگہ ہمزہ
بڑھا کر (ابر) کر دیا ہے تو اُنھوں نے موقع و محل دیکھ لیا ہے غیر زبان
والے جائے معین کے عوض اگر ایسی زیادتی کریں تو روا نہیں ہے۔
مناسب یہ ہے کہ جو لفظ ظاہر المعنی ہو البتہ اُس کی تقلید کریں اور
اُن کے تصرفات کو چھوڑ دیں اگر یہ نہ ہو سکے اور ضرورت شعر مجبور کرے
تو انھیں تصرفات عشرہ کی (جو زحشری) کے اشعار میں ہیں تقلید
کریں جن کی مثالیں اُن کے سامنے ہیں تم کلاماً۔

واضح ہو کہ فارسی میں بھی ایسے تصرفات قدما نے بیشتر کئے ہیں چنانچہ
 فردوسی علیہ الرحمہ کا شاہنامہ اور رودکی کے منظومات اس سے پھرے
 ہوئے ہیں برخلاف متاخرین کے انھوں نے ایسے تصرفات کم کئے ہیں
 واقف کاران فن اور اہل انصاف اس کو ضرور سمجھتے ہیں کہ
 فی زمانہ (جبکہ علوم فارسی و عربی کا رواج گویا ہندستان بھر خصوصاً
 ہماچل صوبہ بہار سے جو کسی وقت دارالعلم تھا جاتا رہا یہاں تک
 کہ وہ لوگ بھی نہ سمجھتے تھے کہ جنھوں نے اہل علم کی صحبتیں اٹھائی تھیں
 اور زبان عربی و فارسی وارد میں کافی دستگاہ رکھتے تھے)
 دینکے شاعری زبان اردو میں جب طرح کا پڑ بونک مح گیا جس کا
 شتمہ آگے بیان کیا جائے گا۔ میں یہ نہیں عرض کرتا کہ موجودہ زمانہ میں
 اہل علم بالکل ہی نہ رہے بلکہ یہ کہتا ہوں کہ انگریزی زبان و علوم کے
 ماہر و عالم خدا کے فضل سے بہ کثرت دکھائی دیتے ہیں مگر عربی فارسی
 زبان کے کما بینغی جاننے والے عام طرح سے نایاب مفقود ہو گئے
 موجودہ عہد کی یہ حالت ہے کہ جاہل سے جاہل بلکہ جہل مرکب میں
 گرفتار بھی چاہے جس محبت میں ہو مدعی علم فارسی و عربی و فنون
 ادب و انشائین کی چند معمولی سنے سناے مصطلحات (جن کی
 حقیقت سے وہ خود بالکل ہی بے خبر و نابلدھی) زبان پر لا کر اوڑھ
 اپنا اعتبار جما کر سیاہ کر سفید اور سفید کو سیاہ رات کو دن اور دن
 کو رات کہہ دے تو کوئی اس صحبت میں شاید ہی اتنا کھلے کہ اس کی

تکذیب کرنے کو کھڑا ہو جائے۔ سبب یہ ہے کہ علوم مخبرجی کے عالم
 آزادی رائے اور اپنی نیک نہادسی سے یہ بدگمانی نہیں کرتے
 کہ شخص مدعی نرا جاہل بر خود غلط ہو گا اس کے دعوے کی تصدیق نہ
 کریں مگر چونکہ عربی و فارسی سے اتنی آگاہی نہیں رکھتے اور ساتھ اس
 کے اُن کے علم و اخلاق نے اُن کو سمجھا دیا ہے کہ انسان جس چیز میں
 دخل تاہم نہ رکھتا ہو اس میں خل دینا سب سے بڑھاکہ جہالت ہے،
 اس لئے ایسے جہال میدان کو خالی پا کر اور بھی پھیل پھیل کر جو کچھ
 سنہ میں آجاتا ہو بک جاتے ہیں۔ بھلا اور اور مسائل علیہ کو تو جانتے
 دیتے ہیں ایک اسی علم ادب شاعری کو لیجئے جیسی اس کی مٹی خراب ہوئی
 ہے شاید کسی اور صنف علم کی یہ حالت نہ رہے پوچھی ہوگی اگرچہ ماہرین ادب
 و انشا و شاعری نے شعر گوئی کا مدار بہت کچھ طبع سوزوں اور مذاق
 سلیم پر رکھا ہے مگر بایں ہمہ فن عروض کی تحصیل اور اس میں ملکہ سنجہ وصل
 کرنے کو مقدم سمجھا ہے لیکن ایک بر خود غلط جاہل فقط چند معمولی بحر وں کی غلط
 یا صحیح تقطیع کر کے فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن۔ مستغعلن مستغعلن مستغعلن
 پراوز ان کو بٹھادیتا ہے اگر پوچھئے کہ اس فاعلاتن مستغعلن کی حقیقت کیا ہے
 اور ان ارکان کے فروع کتنے اور کن کن بحر وں میں ان کے تشکیل کیونکر
 تبدیل ہوا کرتے ہیں تو بجز جاہلانہ جواب یا سکوت کے اور کچھ نہیں بول سکتا
 لیکن افسوس اس کا ہے کہ معدومیت ماہرین فن کے سبب سے ہر ویسے مدعی کا
 اعتبار کر لیا جاتا ہے غرضکہ اتنا ہی اعتبار اس کی گزرمہاں ہی دیکھتے چینی کے لئے

کافی ہو جاتا ہی ایسی جگہ ماہرین فن و واقفان حقیقت شعر و سخن جھنوں نے
 اس کی تحصیل و تکمیل میں عمریں گنوا دی ہیں مطالعہ کتب میں آنکھیں کھو ڈالی
 ہیں بجز اس کے کہ حیرت سے مُنہ دیکھیں اور زمانہ پر افسوس کریں کیا کر سکتے
 ہیں۔ اُن ایسے جہلا و متعصب جہل مرکب میں گرفتاروں کے لئے میرا بیان
 تو کیا حقیقت رکھتا ہی خود خلیل موجد فن عروض و سجع یا سکا کی استاد فن ادب
 اٹھ کر آئے تو بھی وہ اپنی ہی رام کہانی بجا کریں گے یہ بھی عقائد نہ کریں گے کہ
 کوئی آدمی باتیں کہہ رہا ہی یا جیل کوؤں کی آواز ہی۔ ناظرین میرے اس
 لکھنے کو مبالغہ نہ سمجھیں بلکہ تجربہ و مشاہدہ ہی۔ بہر حال۔ مگر از بسکہ خدا
 کے فضل سے علوم انگریزی کے ماہر اور آزاد خیال بکثرت ہیں اور قاعدہ
 کی بات ہی کہ ایک زبان کا فاضل جس نے اُس زبان اور اُس کے
 علوم میں پختہ دستگاہ حاصل کر لی ہی بیک اشارہ وہ دوسری زبان
 کے مسائل علمیہ کو بھی اتنا جلد سمجھ لیتا ہی کہ اُس زبان کا بولنے والا
 مگر جاہل بہرگز نہیں سمجھ سکتا لہذا اگر حید فوائد یہاں درج کر دیے جائیں
 تو مناسب معلوم ہوتا ہی۔

جاننا چاہتے کہ یوں تو ہندی زبان کے اشعار کا نام جب سے ریختہ ہوا
 اس کے اشعار نے کسی قدر اعتبار پیدا کیا اور اہل و شایقین کمال کو
 اس زبان کو سدھارنے اور بتعمیل فارسی ریختہ میں بھی دیوان جمع
 کرنے کا شوق ہوا اسی وقت سے کچھ کچھ اس زبان کی کرید شروع
 ہو گئی مگر یہ کرید محض الفاظ تک محدود رہی نہ کہ تلاش مضامین و مہذب

کی۔ سبب اس کا ظاہری فارسی کے اساتذہ کے دیوان اُن کے
 پیش نظر تھے یہ حضرات بھی اسی رستہ پر چلے جو طریقہ فارسی گو یوں
 کا تھا۔ غرض کہ یہ کرید کم و بیش دہلی سے شروع ہوئی اور جب ایک
 معتد بہ حصہ ان شعرا و فضا کا لکھنؤ میں آکر بس گیا اور اتنی مدت یہاں
 گزری کہ لکھنؤ میں دوسرے طبقہ اور دوسری پود نے جنم لیا اور نفاذ
 دولت و امن و امان نے اس طبقہ کو اس زبان اور اس کی شاعری
 کی طرف بہ شوق تمام چھکا دیا اور گو کہ لکھنؤ کا یہ طبقہ دہلی والوں ہی
 میں تعلیم پایا اور رفتار و گفتار میں تقلد بھی دہلی والوں کا تھا اور
 بقدر ضرورت استعدادِ علمیہ بھی رکھتا تھا طبعی اشتعال نے (جس کا
 بیان آگے ہو گا) ابھارا کہ کچھ نہ کچھ زبان موجودہ میں اتنی اصلاح
 کی جائے کہ دہلی والوں کے رقبہ تقلید سے ہماری گردن بکھل جائے
 چونکہ زمانہ کو اس کے قبول کی صلاحیت حاصل تھی جہاں تک
 ہوسکا لفظوں کی تراش خراش شروع کر دی (اگر یہی مادہ تلاش
 معنی بلند و ترقی حاصل شاعری کی طرف رجوع کرتا تو خدا جانے اُردو
 کی شاعری اب تک کن کن مضامین پر عاوی ہو کر کہاں تک
 ترقی کر جاتی) مگر انا بھر بھی انھوں نے کیا کمال شکر گزار سی کے
 قابل ہو رحمتہ اللہ علیہم۔ بلاشبہ شیخ ناسخ اور اُن کے ذی علم
 مقہومین نے اس کرید میں معتد بہ حصہ لیا۔ اُن کی دیکھا دیکھی اور
 اور اساتذہ وقت نے بھی چھپے طور پر اُن کی تقلید ایسے عام طور پر

کی کہ دہلی کی پرانی زبان اور لکھنؤ کی اس زبان سے نمایاں فرق ہو گیا
 خواجہ حیدر علی آتش اگرچہ ناسخ کے درمیان تھے لیکن از بسکہ مذاق
 ان کا جلد قادر دست تھا گو بیشک اس اصلاح سے انہوں نے بھی
 فائدہ اٹھایا مگر تاہم بعض الفاظ دل پسند قدیمانہ و صفائی بندش میں
 یہ اپنے مقلد آپ سے اور جیسا کہ کئی جگہ ذکر کر چکا ہوں کہ زمانہ ہجر
 کو تغیر کرتا رہتا رہا اور یہ تغیر اکثر طبعی ہوا کرتا ہے زبان مرد و بچہ اس
 تغیر کی محکوم ہوا کرتی ہے ہر زندہ زبان کے اندر بعض نئے نئے الفاظ
 طلبہ داخل ہوا کرتے ہیں اور بعض پرانے الفاظ اپنا قائم مقام
 چھوڑ چھوڑ کر معدوم ہوتے جاتے ہیں پھر ایک غیر معین زمانہ میں
 یہ تغیر عوام سے تجاوز کر کے اس زبان کے خاص خاص فصحاء کی سوئی
 میں پہنچ کر اور خرد پر چڑھ کر مانوس و مستعمل ہو لیتا ہے تب مستند شعرا
 بھی اپنی نظم میں استعمال شروع کر دیتے ہیں شعرا ہمیشہ اپنے زمانہ کے
 فصحاء کی سوئی کی بول چال کے پابند ہوا کرتے ہیں شعراء مستند
 کے شعرا جو بطور مثال مذکور کئے جاتے ہیں ان اشعار سے یہ عرض نہیں
 ہوتی کہ شخص واحد (یعنی اس شاعر) نے کیونکر استعمال کیا ہے بلکہ
 اس کے شعر سے یہ پتہ لگانا مقصود ہوتا ہے کہ اس شاعر کے بعد کے
 فصحاء کی سوئی کس محاورہ یا کس لفظ کو کیونکر بولتی تھی اگر تو زبان
 مرد و بچہ کی اصلاح طبعی ہوا کرتی ہے اور بیشتر یوں بھی ہوتی ہے کہ مثلاً
 فصحاء و علمبردار کسی فصیح جماعت نے کسی وجہ سے جو بعض محاورہ یا

الفاظ کو ناپسند یا پسند کر کے زبان سے خارج یا داخل کر دیا اگر دوسرے
 قصص تک یہ خبر پہنچتی اور وقت اس میں داخل خارج کی صلاحیت بھی
 طبعاً رکھتا ہو تو وہ داخل خارج بہت جلد نصحا میں سمیل جاتا ہے اور
 یہ پتہ نہیں لگ سکتا کہ کسی خاص شخص نے اس کی تجویز کی تھی۔
 چنانچہ میر تقی و سودا وغیرہ اساتذہ کے زمانہ میں زبان کے اندر
 جو تبدیلی ہوتی گئی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں فلاں لفظ میں
 میر تقی یا سودا یا ان کے زمانہ کے فلاں شاعر نے یہ تبدیلی کی تھی
 ایسی تبدیلیاں (جن کا اوپر ذکر ہوا) چونکہ قریب قریب طبعاً ہوا
 کرتی ہیں اس لئے اُس زمانہ کے شعرا کے کلام میں یکساں پائی
 جاتی ہیں۔ اس جگہ اس سچی بات سے چڑتا نہ چاہئے کہ لاکھونے
 جو مایہ بطور قرض ابتدا میں ذہلی سے لیا تھا (اگر انصاف سے
 دیکھتے تو) دربار رام پور میں حیرتہ نہ فقط اصل ہی ادا کیا بلکہ
 مع سود در سود ادا کر دیا۔

غرض شیخ ناسخ کے زمانہ تک تو زبان کی تراش خراش اور کرید
 و متروکات پھر بھی حد اعتدال پر سے ملکر افسوس ہے کہ ان کے
 طبقہ میں یہ اعتدال قائم نہ رہا بلکہ فرط تفریط کر کے (ایک تو
 یہ غریب زبان جیسا کہ اوپر مذکور ہوا تو دتنگ تھی ہی) اور بھی
 اُس کے تنگ کرنے کے پیچھے پڑ گئے۔ ساتھ اس کے تماشایہ ہو کہ
 کہ زبان کے تنگ کر دینے کا تو ایسا شوق غالب ہو گیا کہ اگر ان

کی تجویز کا کوئی ساتھ نہ دے تو فوراً جہالت کا تمغہ پہنانے پر مستعد ہو جائے۔
 مگر اس کی دھن اور توفیق مطلق نہ ہوئی کہ اس تراش خراش سے زبان
 اور بھی اچھی ہوئی جاتی ہو اور بھی کچھ الفاظ نے داخل کر کے ان سے
 لوگوں کو مانوس کریں۔ قبل اس کے کہ اپنے مقصود اصلی کو بیان کریں
 ایک مضمون بطور تہئید کے عرض کر دینا بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔
 واضح ہو کہ بموجب قواعد علم اللسان کے جتنی زندہ زبانیں جلد جلد
 ترقی کرتی جاتی ہیں سب میں غیر زبان کے الفاظ ایک تعداد معقول
 کے ساتھ ملتے جاتے ہیں اور جیسا کہ باریا کہتا آیا ہوں شاذ شاذ تو
 وہ الفاظ بعینہ اُس زبان میں مل کر مانوس ہو جاتے ہیں اور کہیں
 متغیر ہو کر زبان پر جاری ہو جاتے ہیں کچھ مفرد الفاظ پرخص نہیں بلکہ
 مرکبات بھی جب غیر زبان کے مانوس ہو جاتے ہیں تو ان پر بھی یہی
 حکم جاری ہوتا ہے چنانچہ اس زبان میں بھی ایسے الفاظ مفرد ہوں یا
 مرکب صحیح اور مہند کہاتے اور خاص اسی زبان کے ہو جاتے ہیں۔
 زیادہ تر زبان عربی اور اس سے کم زبان فارسی میں جہاں جہاں
 ایسے اجنب یا غیر معمولی الفاظ مل گئے ہیں اور قواعد منضبطہ کے تحت میں
 نہیں آسکتے ان کو سماعت میں یا تو داخل کر دیتے ہیں یا ہند ^{عجمی}
 یا شاذ کہہ کر کھپت کر لیتے ہیں کیونکہ ان زبانوں کے آزاد وسیع ^{انہی}
 علمائے صرف و نحو مروجہ الفاظ کو دگو کہ قواعد اور کلیوں ^{بنا} یا بھی ہوں
 غلط کہہ کر زبان کو تنگ تو کر ہی نہیں سکتے لامحالہ تاویل کر کے جائز ^{انہی}

اور ادب و انشا میں شوق سے داخل کر لیتے ہیں کیونکہ اگر تنگ
 خیالی کو راہ دیا کرے تو آج جو وسعت ان زبانوں کو حاصل ہو
 کبھی نصیب نہ ہو سکتی مگر افسوس ہماری زبان کے مدعیانہ بانانی
 پہری کہ اچھے خاصے شریف مہمانوں کو بھی جو کمال محبت سے ہماری
 زبان کے ساتھ نفل گیا ہو کہ مل جل گئے ہیں زبردستی غلط التزام
 لگا کر ہماری صحبت سے نکالے دیتے ہیں۔ اگر خیال کیجئے تو کسی قدر
 تو تاریخ مرحوم ہی کے زمانہ سے یہ گریہ شروع ہوئی کہ الفاظ فارسی
 یا عربی جو حسب قواعد علمی عالم اللسان کے معرورہ تغیر ہو کر اردو
 ہی کے ہو گئے ہیں زبردستی لغات وجودہ سے تخلص کر کے ان کو
 اجنب بنا دیا جائے چنانچہ شاہزادہ مرزا اصاغر مرحوم نے اپنے
 تذکرہ میں ایک لمبی فہرست ان متغیر شدہ دہند الفاظ کی دی ہے
 اور یہ بتایا ہے کہ لغات فارسی وغیرہ دیکھ کر نئے نئے سہرے سے ان
 الفاظ کو اجنب بنا دینا کس قدر غلط نہیں ہے۔ پھر ساتھ اس
 کے تماشایہ ہے کہ یہ گریہ فقط فارسی یا عربی ہی الفاظ تک محدود ہے
 حالانکہ اس زبان میں بجا کھا سنسکرت مرٹی ترکی گجراتی ایلینی
 عبرانی اور خدا جانے اور کون کون سی مختلف زبانیں بگڑ کر مل
 گئی ہیں یہ تو خوب نہیں ہے کہ غیاث و منتخب کے مخدو لغات
 پر قناعت کر لی جائے۔

بہر حال مفرد الفاظ کا تو وہ حال ہوا اب مرکبات کو لیجئے جن سے

زیادہ تر بحث ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی ہندی یا اور کسی زبان کا لفظ کسی فارسی یا عربی کے لفظ سے بطور قواعد فارسی ہم بغل ہو تو غلط ہے جبکہ فصحا برابر استعمال کرتے آئے اور کہتے ہیں تو سبب اس خاص فارسی ترکیب کے غلط ہونے کا کیا ہے تو بجز اس کے اور کوئی جواب نہیں ہے کہ ہماری تجویز۔ ملاحظہ ہو چوکیدار جی دار سمجھو دار سونٹے بردار۔ بھنڈی بردار وغیرہ وغیرہ صفائی سہا کیوں زبان سے مطرد کئے جاتے ہیں (حالانکہ آج سائے قصاک آردو کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں اور ان کی جگہ اور قائم مقام کوئی اور ایسا مختصر لفظ بھی نہیں ہے اگر اس مفہوم کو ادا کیا جائے تو چند الفاظ کو اجنب ترکیب سے مرکب کرنا پڑے) اسی طرح گاڑبان پان دان اگال دان سنگار دان وغیرہ وغیرہ غیر محدود متعمل الفاظ ہیں جن کو غلط بتایا جاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ کوچان بھی نکال دیا گیا یا انگریزی لفظ (کوچ) کے سبب ابھی تک ڈٹا ہوا ہے۔ ایک صاحب بٹے شدومد سے تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ اٹھانی گئے ابھی غلط ہے کیونکہ اٹھانی ہندی اور گیارہ فارسی ہے (کہیں بھی اس تنگ خیالی کا جواب ہے) ایک اور صاحب نادمہ فرماتے ہیں کہ "مسم کھائے ہوئے" میں جو قافیہ کھائے ہوئے ہے اس کا قافیہ ہمسائے ہوئے غلط محض ہے کیونکہ لفظ ہمسایہ ہے نہ کہ ہمسائے اور یہ نہ سمجھے کہ زبان کم نخت کا قافیہ تنگ ہوا جاتا ہے

ایک دوسرے صاحب ڈانٹ بتاتے ہیں کہ آج دانے کا لفظ
 تہ باندھو کیونکہ بیج میں واو عا لطف فارسی ہے اور لفظ دانہ ہی نہ کہ دانے
 اگر ایسے زبان زد مقبول فصحا الفاظ کی (جوان حضرات کی کلیہ میں
 اگر غلط ہو جاتے ہیں) فہرست دی جائے تو میرا قیاس یوں ہے
 کہ غالباً ہزاروں اچھے خاصے لفظوں کی گردن پر چھری چل جائیگی
 جن کے قائم مقام الفاظ ڈھونڈھے نہیں ملتے۔

مثلاً کچھڑی فروش - دودان - چینی دان - مکھن دان - عرق
 کیوڑا - شربت کیوڑا - پاجی پرست (اس کے بارہ میں اہل لغت
 کہتے ہیں کہ در کلام قدما دیدہ نشدہ - یا القاب جیسے خورشید
 دو لہا - وزیر دو لہا وغیرہ کیونکہ دراصل یہ لقب صفاتی ہے اور
 ترکیب تشبیہی مقلوب بہ ترکیب فارسی ہے دراصل اس کی عبارت
 یوں ہے یعنی دو لہہ کہ چون خورشید و چون وزیر است۔ جو تخی خور
 گڑ انبہ (آم اور شکر سے پکایا جاتا ہے انبہ فارسی ہے) لال پر (یہ
 ایک قسم کی مچھلی رہو ہوتی ہے بہت مشہور) لکلی گر پھول کا سہ
 قلفی دار پختہ بردار بیاض خور وغیرہ لاناہایت لہہ۔

کثرت سے ایسے غیر محدود الفاظ بالکل غلط کرنے پڑیں گے۔
 طرفہ ماجرا ہے کہ اس کا بھی اعتراف ہے کہ فصحا کی زبان میں راجح
 ہے، اس کے یہ معنی ہوئے کہ فصحا غلط بولتے ہیں اگر سہی ہے تو
 سند کس کی دی جائے گی؟

فرض کہ ٹھوڑے زمانہ سے میدانِ شاعری میں چار قسم کے لوگ آتے ہیں۔
 ہوتے ہیں۔ اول وہ بزرگوار جو ذی علم و فصیح زبان اور اچھی سیٹی
 اور اہل زبان کی صحبت اٹھائے ہوئے ہیں مگر خود کو مجتہد فن و
 زبان جان کر توہم میں گرفتار اور رنگِ فیالی کے سب سے مشہور
 و مانوس و مستعمل لفظوں کے استعمال میں ایسی احتیاط دکھاتے
 خواہ برتتے ہیں جیسے فقہی علماء اہل احکام وحی و الہام سے بے خبر
 ہونے کے سبب سے خوفِ باز خواستِ عقبتے احتیاط برتتے اور
 اپنے فتوٰ میں اکثر احوط و خیر و الفاظ لکھ دیا کرتے ہیں یہ حضرات
 بھی قریب قریب اس کے اس معمولی بات میں وہی چال چلتے
 ہیں حالانکہ یہ مسائل شرعی مسائل نہیں ہیں جن کے لئے ایسے
 پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہو یا اس ہمہ پھر بھی یہ
 بزرگوار ہماری شکر گزار سی کے ہزار گونہ سزاوار ہیں اگر یہ باتمیز
 و نبض شناس کلامِ نفوس چارہ گزہ ہوتے تو جتنی بھمتانت زبان
 موجودہ میں باقی ہے پر وائوں اور بیجا آزیوں کے ہاتھوں
 ستیا ناس ہو جاتی اور ہندوستان بھر چہ تک تائیں تائیں۔“
 کا کلیہ طے لگتا یہی قابلِ تعظیم حضرات تھے جو سخت کریدار و
 خراش تراش سے سوچنے والوں کی کثیر جماعت کو حد اعتدال پر
 لے آئے۔ دوسرے طبقہ ان صاحب کلاموں کا ہے جو باوجود سگاہ
 رکھنے اور زبان کے نیک و بد سمجھنے کے بھی یہ ملاحظہ نہیں مانتے

کہ کون کون سے محاورے عوام اور بازاریوں کے ہیں کون کون لفظ
 زبان پر ایسے چڑھے ہوئے ہیں جو خاص کر نظم کی متانت کو مٹی
 میں ملا دیتے ہیں میں نے مانا کہ جو الفاظ فارسی عربی کے تغیر ہو کر
 ہو کر ہماری زبان میں مل کر بہت اور خاص اردو کے ہو گئے
 ہیں ضرورت ان کی تصحیح کی نہیں ہے مگر جبکہ ان کی تصحیح ہو کر
 فصحاءے با تمیز کی زبان پر چڑھ گئے اور مانوس ہو چکے زبردستی
 ان کو بھی بحالت تغیر استعمال کرنا ضعف تالیف میں خلل
 ہو یا نہیں اور بھی کہہ آیا ہوں اور اب بھی یاد دہی کرتا ہوں کہ
 مثلاً نشہ کا لفظ اگلی زبان میں نعتین بروزن لقا مستعمل تھا مگر
 ساٹھ ستر برس سے با تمیز زبان داں بالفتح بروزن فعل استعمال
 کر رہے ہیں اس کو خواہی خواہی نعتین استعمال کرنا اور با تمیز سخن
 سخنوں کے طبائع کو نثر جر کرنا کون سی خوبی ہے علیٰ ہذا بہت سے
 ایسے ہی الفاظ ہیں جن کا بیان طوالت سے خالی نہیں ہے اس
 کے علاوہ جہاں جہاں کلام کے مہین کرنے کو ضرورت اس
 کی ہے کہ فارسی ہی کے الفاظ فارسی ہی ترکیبوں سے لائے جائیں
 وہاں ہندی الفاظ ہندی ترکیبوں سے لاکر کلام کو بھرا بنا دینا
 کون سی خوبی ہے۔

تیسری جماعت وہ ہے کہ اس نے اپنی زبان کو اعتدال پر
 رکھا ہے ایسے لوگ طبقہ اول کی کرید اور تراش و خراش کو کبھی

کھنڈھے دل اور انصاف سے دیکھتے ہیں اور طبقہ دوم کی بقیہوں پر بھی نظر رکھتے ہیں اور دونوں طبقوں کے مکالمات میں سے جس کو قرین فصاحت و معین مترانت کلام اور باتمیز فصیحی کا مستعمل جانتے ہیں بلا خوف و ہراس لائق اسی کو استعمال کرتے ہیں۔ یہی ان کا اصول مقررہ ایسے طبقہ کے اصول مقررہ پہ چاہے اعتراض کروں گا افراد اول اپنے گڑھے ہوئے اصول سے اعتراض جائز نہیں ہو سکتا۔

یہ تو تھا طبقہ ان پر خود غلطی نابلدوں کا ہی جنھوں نے علم شعر میں فقط اتنی بات سنی سنائی یاد کر لی ہے کہ محض ناواقفان فن عروض کے سامنے آسان تر بحروں کے دو تین اوزان (طوطے مینا کی طرح یاد کر لکھے ہیں) فقط اصغر کی تقطیع (وہ بھی سخت قواعد نہیں) کر نے بیٹھ جاتے ہیں اگر کوئی وقت کا ان سے پوچھے کہ بھلا تقطیع تو آپ نے کر دی ان کے زحافات تو بتائے یا ناموس کسی بحر میں تقطیع کر کے دکھائے تو کوئی درست و معقول جواب نہ دے سکیں گے۔ تو فن عروض کا حال ہوا رہا فن قافیہ اگر پوچھے کہ عروض و درکات قافیہ کے کیا کیا نام اور کیا کیا تعریفیں ہیں تو اڑ بڑے معنی الفاظ بکئے آئیں گے زبان دانی کا یہ حال ہے کہ نہ تو باتمیز فصیحی اردو کی بچپن سے صحبت نصیب ہوئی ہے کہ ملکہ تامہ حاصل کر کے بول چال میں امتیاز حاصل کر لیتے نہ زبان اور اس کے الفاظ کے فلسفہ و تشریح سے باخبر ہیں مگر بے تمیزوں کی طرح دقل و معقولات دینے کو آمادہ رہتے ہیں ان کی منتہائے ہمت و ادب یہ ہے کہ کسی سے سن رکھا ہے کہ لفظ ہندی بہ ترکیب

قاری فارسی لفظ سے مرکب نہیں ہوتا یا چند الفاظ فارسی کے مرکبات لغتہ
 یوں ہیں اتنی بھر استعداد نکتہ چینوں اور اپنی جھوٹی شیخی کے لئے کافی سمجھ
 رہے ہیں اور بچائے ناواقفان فن شعرا ہی یا وہ سرالی کو دیکھ کر دھوکا
 کھاتے ہیں درحقیقت ایسے طبقہ والے قول راہ سخن میں ایسے بر خود
 غلط اور جہل مرکب میں گرفتار مدعی علم کی شرافت اگرچہ اسے ناواقفان
 فن کیا چاہیں تو بہت آسان ہے۔ اول تو ایسا نابالغ نہایت متعصب
 و خود پسند ہوتا ہے اس کے اصل قول کے برخلاف اگر خزاوں دلائل
 معقول بیان کئے جائیں دلائل پر منحصر کیا ہی تجربہ شامد ہے کہ مثالوں کو
 دلائل برابر ہیں سے بھی اس کے غلط قول کی ماہرین فن بھی اصلاح کیا جاتا
 تو ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ برخلاف اہل تجربہ و اہل علم کے دخل درمغز
 دینے کو (عام زمینکے کتنے ہی اہل علم موجود کیوں نہیں اور محالیت بھی
 اس کی طرف نہ ہو طیار ہو جاتا ہے۔ اتنی ہی بات سے ہوشیار شخص راگ
 کر لے سکتا ہے کہ یہ کس طبقہ کا آدمی ہے۔ ایسے طبقہ کے لوگ از بسکہ اپنی
 شہرت و نمود چاہتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ زمانہ ان کے ابھارنے میں مدد
 نہیں دے سکتا تب وہ یہ صورت کرتے ہیں کہ جن بالکالوں نے
 اس تحصیل و تحصیل میں اپنی عمریں گنوا ڈالی ہیں اور کسی قدر ان اصولوں
 ایک درجہ حاصل کر لیا ہے ان کے کلام پر نکتہ چینوں اور اعتراض شروع
 کر دیتے ہیں وہ نکتہ چینیاں بھی اگر شرافت سے اور تہذیب ہوں
 تو چہ ان مضائقہ نہیں مگر ان کی غرض تو دل دکھانے اور اپنی

ناموری سے ہی بلاشبہ ایسے بے سرو پا اعتراضوں اور نکتہ چینوں کے
 جواب اگر دئے جائیں تو بقول سر سید مرحوم کے پاجی کو پاج بنا ناہی اور متواتر
 دیوانہ کو تلوار دینی ہے۔ اس میں بھی چین نہیں ہی ازلیسکہ عام طریقہ سے علم و
 فن کار و راج نہیں جو لوگ شریف دل اور منصف مزاج بھی ہیں نابالہی
 کے سبب سے وہ لوگ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ جواب اُس شخص سے بن
 نہ پڑا اس لئے مدیران نہیں ہی کیا ایسے حضرات یہ چاہتے ہیں کہ متواتر
 جگہ تا جگہ جیسے مشہور بد معاشوں سے شرفا لچھیں اور ان ایسوں کا جو مقصود
 ہی یعنی اپنی شہرت وہ حاصل ہو جائے اگر وہ نکتہ چین اتنے بھی نہیں ہیں کہ
 کوئی تحریر صرف و نحو سے درست ان حاسدانہ نکتہ چینوں کی کسی اخبار
 یا رسالہ میں بھیج سکیں تو ان کا شغل یہ ہے کہ گتنام خطوط میں مغلطیات
 لکھ لکھ کر ڈاک کے ذریعہ سے بھیجیں اور اپنی اصلی طینت کا اظہار کریں۔
 اڈیٹران اخبار و مدیر رسالہ جات (جن کو متین اور ہتدیب ہونا بہت
 ضروری اکثر ایسے ہی ہوتے ہیں کہ جب کوئی تحریر ان کے پاس پہنچتی ہے
 چاہے کسی باکمال کے حقوق کیسے ہی پامال کیوں نہوں چھاپ دینے
 اور شائع کرنے میں ذرا بھی تاہل نہیں کرتے اتنا خیال بھی نہیں کرتے
 کہ اول تو ایک مرتاض کے حقوق کمال پامال ہوتے ہیں دوسرے
 قوم و ملک کو ترقی میں الگ نقصان پہنچاتے ہیں اور بد اخلاقی
 کی اعانت الگ اور جس اخبار یا رسالہ کے مدیر ہی خود ایسے ہی حاسد
 اور خود غلط ہیں ان کا لو جھنسا ہی کیا ہی الغرض اس طبقہ کے ہاتھوں

جو ہونا بھی ہیں یا ایک حد تک محنت کر کے کسی درجہ تک فائق بھی
 ہیں بہ سب شرافت و طبیعت کے اپنے اپنے نادر کلام کے شائع کرنے
 میں جھکتے ہیں اور ابھرنے نہیں سکتے بائیکہ ان نکتہ چینیوں کے تجربہ سے
 یہ دیکھ بھی لیا کہ جس کا کمال حقیقت میں لائق تعریف و شہرت تھا
 ہزار ہا انھوں نے زور لگائے اس نکتہ چینی میں اکثر اتفاق سے صحیح
 بھی ہیں کیونکہ انسان چاہے کسی مرتبہ پر فائق ہو فرشتہ نہیں ہو سکتا
 چوک کا پتلا ہوتا ہے اگرچہ نہ چلی یہ دیکھ کر بھی وہ عبرت نہیں لے سکتے
 ہوائے خیال میں ایسے سخت زبان نکتہ چینیوں کا علاج اگر ہو سکتا ہے
 تو یوں ہو سکتا ہے کہ اول تو سنجیدہ مدیران اخبار و رسائل ایسی تحریریں
 ہی شائع نہ کریں اور بالفرض شائع ہوں تو ملک کے ماہرین نصیحت
 دوست و اہل قلم فوراً اس کا جواب بلا کسی تاہل کے شائع کر دیا کریں
 یا بطور محاکمہ کے بشرطیکہ وہ اعتراضات بے سرو پا بھی نہیں اپنی
 اپنی تحریریں کثرت سے شائع کر دیا کریں تاکہ معترض پر بھی تو یہ چل
 جائے کہ خود میری غلطی پر اہل علم و کمال متفق رائے نہیں اس طبقہ کے
 بعض اشخاص کی اکثر مضحک نقلیں اہل علم و تمیز کے سننے کے قابل
 ہیں مگر عہد ان سے قطع نظر کیا جاتا ہے تاکہ ذاتی و شخصی حملہ کا الزام نہ ہو
 مذکورہ بالا ایامہ کون سے غرض یہ ہے کہ طالبان فن ایسے غولان
 رہ سجن کہ دھوکے میں آکر اس کے ہم خیال نہ بنیں ایسے متعصب
 و غلط کی اخلاقی حالت بھی بہت خراب ہو کر رہتی ہے یعنی ہسان

فراموشی و کینہ کشتی اُس کا شعار ہوتا ہے جس دروازہ پر برسوں دیروزہ
 گری کرتا ہے اسی پر جملات مفسدانہ کرنے کے لئے وقت کا منتظر رہتا
 ہے۔ اعلیٰ سویٹی میں بیٹھنے سے گہرا تاجہ طبقہ اول کے بعض حضرات نے
 متروکات کی جو ایک لمبی فہرست چھاپی تھی جس کو چالیس چاس
 برس کا زمانہ ہوتا ہے اُس میں بالضرور چند متروکات معقول بھی ہیں
 چونکہ فضحا کے طبائع اُس کے قبول پر آمادہ تھے اتنی مدت میں خود
 بخود وہ الفاظ زبان سے خارج ہو گئے اگر خور سے کام لیا جائے تو
 استعمال اُن کباب کانوں کو خواہی خواہی بھیجا تک معلوم ہوتا ہے
 مثلاً ہونگی کی جگہ ہوگی یا اندر کی جگہ بیچ یا اظہار مبارک کے
 مقام پر زور کا لفظ یا اشیر مرکب کے فارسی لفظ کا جمع لے آنا جسے
 ع اُس کے ماتم میں عزیزان شہم تریو نگر کروں۔ اسی قبیل سے ع
 شفیقات میری بانسٹ پر توجہ چاہئے تمکو۔ ان میں کے بعض الفاظ
 ایسے ہیں جن کو میرا نہیں ماننا صحیح البیان بھی برابر استعمال کرتا تھا اگر اب
 حقیقت زبانی لکھی گئی زبان پر نہیں ہے اور ترک فراولت کے سبب
 کانوں کو اذیتا معلوم ہونے لگا ہے برخلاف مصادر ہندی ہمہ اصنافی
 کی جمع کے ذہن کو اور جو زبان سے خارج ہو جانے کے بھی سہری زبان
 کے دل دادہ نظروں میں جا کر ہی نہیں بلکہ خوبصورت جانتے ہیں۔

آتش کہتے ہیں ع بیٹریاں منت کی بھی پتیں تو میں نے بھاریاں
 میرا نہیں ع بیہ العلم میں گوو کے تلواریں ماریاں لاجد چلنے لگیں

جو فوج میں تیغیں دو دھاریاں باقی رہے اور تجویزی متروکات جو کسی
 جگہ ضغظہ زبان پر محمول کر کے کہیں حرف کے بڑھ جانے کے خیال سے
 کہیں ذم کے پہلو کے لحاظ سے زبان سے خارج کر دینے کی طرف توجہ
 دلائی جاتی ہے جیسے کچھے لچھے دیچھے وغیرہ بروزن فعلین بجائے کچھے
 بروزن فاعلین یا تلک بجائے تک یا اوپر بجائے پریا سمیت بہ
 معنی ہمراہ ومع یا یہ بجائے پریا ایسے مصادر عربی جن کے آخر میں
 لت ہے جیسے وصلت بالضم یا علت ان کے علاوہ بھی اور چند
 الفاظ ہیں جو اس وقت یاد نہیں آتے یا جو در امتداد کوشش کے
 اس تک طبعاً محاورہ فصحا میں داخل تھے کہ جو حضرات ان متروکات
 کے مجوز ہیں خود ان کے شعرا میں موجود ہیں سبب ظاہر ہے کہ ہنوز
 نظر تالانم التکر نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ جو وہ اس نے ترک
 کے لئے جوائے ہیں سینکڑوں مستعمل الفاظ میں وہ وجود موجود ہیں پھر
 ترجیح بلا مرجح کے کیا معنی رہے ایسے الفاظ جو پہلے ذم ملتے ہیں
 وہ ہر زبان میں بہ کثرت ہو کر تھے ہیں اور نہ کبھی ہوں تو جو تھے طبقہ
 کے لوگ اس کی گرفت کر کے بنا دیا کرتے ہیں مثلاً کسی شعر میں "تو"
 آیا ہو اس کو اشباع کے ساتھ اس طرح دہرا دیں گے جیسے کہ تو
 پکارا جاتا ہی یا کسی شعر میں لفظ وصلت آیا ہو تو تشرارت نفس سے
 (یہ لت بھی خوب) کہہ کر اپنے نزدیک مضحکہ کرتے ہیں یا مثلاً پریہ
 کے معمولی لفظ کو لچھے اگر لکھیں اور بگاڑنا مقصود ہوتا ہی تو کہہ

اٹھتے ہیں (یہ پر بھی خوب نکلا) تو اس کا جواب نہیں کریں ہی انسان
 ایسے بد تمیزوں کے خوف سے ان مستعمل الفاظ کو ترک کرتا جائے
 تو بات کرنا دشوار ہو البتہ جن لفظوں میں صریح پہلوئے مہم چھو اور اُس کا
 قائم مقام کوئی دوسرا لفظ فصیح موجود ہے تو فقط زبان جہاں سے بچنے
 کے لئے اگر نہ استعمال کرے تو قباحت نہیں نہ یہ کہ زبان ہی سے
 اُس کو خارج بنایا جائے۔

اقسام منظوماتہ ہمارے اردو میں بھی وہی ہیں جو فارسی میں اچھے ہیں
 یعنی غزل شذوی رباعی قطعہ افراد مثلث مربع پنجس
 سدس مبعثی مشتی معشر ترجیع بند قصیدہ اور یہ سب انھیں
 عربی بحروں میں ہیں جن کو فارسی والوں نے برتا ہے۔ ان میں سے
 بعض اقسام کا بیان بقدر ضرورت کیا جاتا ہے۔

غزل عربی لفظ ہے اس کے چند معنی ہیں مشہور معنی معشوق کے ساتھ
 باتیں کرنا اور اصطلاح میں ایسے (کم سے کم پانچ یا زیادہ
 سے زیادہ بند) مختلف اصناف میں متحد القوافی اشعار کا جمع کر دینا
 جن میں مطلع و مقطع ہو مستقر میں بلکہ متاخرین نے بھی غزل کے
 اشعار کی یہی تعداد لکھی ہے جو مذکور ہوئی مگر فی زمانہ تعداد مذکورہ
 سے گزر کر ساٹھ ستر بلکہ اس سے بھی زیادہ اشعار غزلوں میں
 لکھ جاتے ہیں اور حتمہ الموسع (اگر کثیر القوافی ہے) پھر تو بعض مخزوں طبع
 یہ جانتے ہیں کہ جتنے قوافی مناسب و غیر مناسب ہوں چھوٹے

تہ پایئیں۔ گویا تعداد اشعار کو معیار کمال سمجھا گیا ہے نہ کہ فنی مضامین کو۔ اساتذہ شعرائے فارس (جو غزل سرائی میں مشہور و معروف ہیں جیسے استاد رودکی وغیرہ متقدمین یا خاقانی و انوری و سعیدی و کمال اسماعیل وغیرہ متوسطین یا حافظ بابا فغانی ملائیلی نظیری تیشاپوری ملاعربی وغیرہ وغیرہ متاخرین تعداد مذکورہ کے پابند تھے ایسا نا اکر قدر مذکور سے کچھ اشعار دل پسند زیادہ ہو جاتے تھے تو مطلع و مقطع لگا کر دوغزلہ کر دیتے تھے اور مطلع بھی دو سے زیادہ نہیں لکھتے تھے۔

مشائیر شعرائے فارس کے کلام میں (جن کے نام اوپر درج ہوئے یا جن کے نام طوالت کے خوف سے درج نہیں کئے گئے) شاذ و نادر ہی دوغزلہ دیکھا گیا ہے کچھ اس غزلہ و چار غزلہ و پنج غزلہ غزل کی معمولی تعریف میں اوپر لکھ چکا ہوں باعتبار محاسن و صفات کے اُس کی تعریف یہ ہے کہ بہ چند رنگارنگ مضامین اُس میں ہوں مگر اس لطافت و سادگی و عذوبت کے ساتھ وہی مصرعوں میں یوں دالئے جاتے ہیں گویا ایک فصیح و بلیغ شیریں کلام چھوٹے چھوٹے جملوں میں لپسند طریقے سے بیان کر کے آب حیات کا دریا بہا رہا ہے دور کیوں جائے شیخ سعدی خواجہ حافظ امیر خسرو و ملا نظیری ملاعربی (بابائے شعرا) فغانی مرزا صاحب طالب کلیم محمد جان قدسی اور اور کثیر التعداد اساتذہ جن کی غزل سرائی کی دنیاے شاعری میں دھوم مچی ہوئی ہے اور با تیر شعرائے اردو جن کی تقلید کو اپنا سرمایہ کمال جانتے ہیں

اس غزل سرائی میں بھی ان کی تقلید سے تجاوز نہ کرے۔ فارسی گو اساتذہ نے غزل کا پایہ ایسا مہتمم یا نشان کر دیا ہے کہ شاید ہی کوئی زبان نکارنگی مضامین روانی میں اس سے ٹکڑ کھا سکے غزل کے لئے جتنے لوازم دل پسند ہیں مختصر طور سے میں ان کو بیان کروں گا کوئی لازمہ انہوں نے چھوڑ نہیں دیا ہے۔ سچ یوں ہے کہ ان کی زبان (فارسی) قدرتی طور سے غزل سرائی کے لئے ایسی مناسب واقع ہوئی ہے کہ اگر ہم یہ کہہ دیں کہ فارسی زبان غزل کے لئے اور غزل فارسی زبان کے لئے تخلق کی گئی ہے تو کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ شیرینی الفاظ و محاورات کے علاوہ اضافی کی مختصر مگر معنی خیز ترکیب نے طویل طویل مضمونوں کو یوں ادا کیا ہے کہ جتنے گوشے اس مضمون کے ہیں سب پر نظر دوڑ جاتی ہے اور سلاست تو اس کا حصہ ہے اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ نظم کی قسموں میں قسم سیسی دل کش ہے شکل بھی ویسی ہی ہے مگر ناشاید ہے کہ ہر موزوں طبع اسی کو آسان سمجھ کر چاہے اس کے نکات سمجھنے کی بجائے چھوٹے ہاتھ ڈال دیتا ہے یا اعتبار مضامین کے غزلوں کی چودہ قسمیں ہیں اور اگر ایک کو دوسری قسم میں شامل کر کے ضرب و بجائے تو شاید کبھی سو قسم کی نوبت آجائے گی۔ توضیح سکتی ہے کہ

عاشقانہ نارقانہ صوفیانہ زندانہ آزادانہ مسترانہ مسترانہ
 ناصحانہ طرفیانہ مادحانہ قادحانہ افتخارانہ عامیانہ سوقیانہ

اسی تعداد پر مختصر نہیں ہے کیونکہ بعض شعراء آزادانہ عاشقانہ دونوں مضامین آگے ہیں کہیں مادحانہ زندانہ مضمون سست و گریبان

ہیں اگر اس نظر سے دیکھا جائے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ ضم
دی جائے تو جیسا میں کہہ آیا مواد محذوبہ تعداد ہو جاتی ہے۔

قبل اس کے کہ اقسام مذکورہ نزل کی توضیح کی جائے ایک مقدمہ
بیان کر دینا وضاحت مضمون کے لئے غالباً مناسب ہوگا۔

غزل کے اصطلاحی معنی جن لوگوں نے مکالمہ بازیاں کے لئے

ہیں یہ معنی ایک تو واقعہ کے برخلاف ہے دوسرے نہایت تنگ
ہے اس سے لازم آتا ہے کہ جو مضمون اس کے برخلاف ہے اس کو غزل
غزل نہیں کیا جاسکتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر اقسام مضامین

غزل کی فہرست میں مذکور ہوا۔ شاید کسی زمانہ میں یہ محدود تعریف غزل
پر صادق آتی تھی بعض نے اس کی تعریف صرف مکالمہ یا مشق

کی ہے البتہ یہ معنی کسی قدر معنی اول سے وسیع ہے گو کہ جامع تر ہے
معشوق ایک عام لفظ ہے چاہے کوئی ہو مگر زیادہ تر مناسب مقام

یہ ہے کہ ہم معشوق کا اطلاق غیر ذوئے العقول پر نہ کریں۔ اسی حالت

میں معشوق یا مجازی ہو گا یا حقیقی۔ یہ بھی اچھی طرح سے معلوم ہے کہ

بیکڑوں ہزاروں شعرا میں شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جو سچے اور اپنے

اوپر گزرنے والے واقعات کو نظر کے ساتھ کہتا ہو ورنہ خاص کر کے عشق و

عاشق کے مضامین تو خیالی ہی ہو کرتے ہیں اسی لئے وہ قابل تعظیم

اساتذہ شعرا ہونے کے باوجود بلند اور بکار آور کیا جاتے ہیں

انہیں خیالی مضامین کو استعاروں کا جامہ پہنا کر پردہ مجاز میں

حقیقت کا اظہار ایسے موثر اور دل کش طریقہ سے کرتے ہیں کہ خود
اُن کا اور سامع کا نفس متاثر ہو کر حقیقت کی طرف جھکے اور رفتہ
رفتہ اس کا اثر اور اس قسم کی مضمون فریبی کی فراوانی حقیقت
کی طرف کھینچے۔ اُن باتمیز و ذمی معرفت شعرا کی غرض قریب قریب
کل مقام معشوق سے معشوق حقیقی ہی ہوا کرتی ہے پھر جتنے لوازمات
ایک مطبوع خاطر معشوق مجازی کے لئے درکار ہیں ان لوازمات
کو یہ کمال شوق و ذوق اسی استعارہ کے پردہ میں وہ ادا کرتے
ہیں یا مثلاً شراب کباب میخانہ و ساغر و خم و مینوش و زہد و مہر
وغیرہ ظاہری الفاظ جو اُن کے کلام میں پائے جاتے ہیں ان سے
یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ نئے لہجہ حقیقت وہ فنق و فوج میں آلودہ ہیں
بلکہ یہ جتنے الفاظ ہیں سب مستعار ہیں پھر یہ بھی نہیں کہ مثلاً شراب
کے لفظ سے ہر جگہ اُن کی غرض شراب عرفان ہی ہو یا ساقی سے
ہر جگہ ساقی کو ثر (رسول اللہ یا علی مرتضیٰ) ہی مراد لی جائے
(جیسا کہ عموماً ناواقفوں کا گمان ہے اگر اُن کے نازک باریک
باریک استعارے ہر جگہ ایک ہی معنی رکھتے تو اُن کے کلاموں
کی شرح کرنے کی ضرورت بہت کچھ ساقط ہو جاتی۔ اُن کے
دل پسند و دل کش و موثر استعاروں کا رخ خود طریق ادا و تمہید
استعمال ایسے چھپے طور سے بدل دیا کرتے ہیں کہ چشم بینا ہی کو
اس کی جھلک نظر آتی ہے بیل کے عہد عتیق والے حصہ میں

حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کی بہت سی
غزلیں مندرج ہیں جن کا نام ہی غزل الغزلیات ہی اور جن کو لقب
زیور کا دیا گیا ہے۔ یہ غزلیں ان کی زبان میں موزوں اور اس
زبان کی متداول بھروں میں داخل ہیں گو کہ ترجمہ کی حالت میں
بجائے نظم کے وہ سب نثر میں لاکھی گئی ہیں تاہم ایسی حالت
میں بھی مصرعوں اور بیتوں کا فرق امتیازی قائم رکھا گیا ہے
یہی غزلیں وہ ہیں جو معرفت الہی و عشق حقیقی کے بوش میں
اکریہ انبیاء کے کرام اکثر سپاڑوں پر بیٹھ کر اپنے دل کش غزلیوں
کے ساتھ ہاتھ میں ساند لیکر بیروں کا پہر گایا کرتے و خوش
و طیور و انسان اس اعجازی لغزوں اور عرفانی مضامین پر جو
استعارہ کے پردہ میں چھپے ہوئے تھے تصویر حیرت بن جاتے
تھے۔ وہ اپنے انتہائے ذوق میں یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ
اے میرے محشوق اگر تو میرے پاس قدم رنج کرے تو میں
(گو اس قابل نہیں ہوں) مگر گرم پانی سے تیرے پاؤں کی
خاک دھوؤں تیرے پاؤں میں تیل ملوں تیرے لئے گدا
اور نرم بستر بچھاؤں وغیرہ وغیرہ، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ
خوار سیدہ بزرگوار اتنا بھی نہ جانتے تھے کہ یہ جتنے لوازمات ہیں
ذات اقدس میں باری تعالیٰ ان سب سے پاک و منزہ ہی
تعالیٰ عن ذلک علواً کبیراً۔

بنا رہے ل کے اس مفہوم کے مکالمہ یا معشوق اگر قطع نظر وزن و تسلسل
 قوافی سے کی جائے تو جتنے ادعیہ ماثورہ ہیں سب پر اطلاق غزل کا
 ہو سکتا ہے۔ اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ اس کو یہ معرفت میں صرف
 طریق اور استعاروں کے لئے کیا کیا شرطیں ہیں۔ ان صاحبان
 عرفان کا ذکر نہیں ہے جنہوں نے قال کو حال بنا لیا ہے اور نہ ان کا
 تذکرہ ہے جن کی شان میں یہ کہا گیا ہے **ع** ز او از دو لابتی کند
 یہ مراتب انھیں ایسوں کے ہیں جو گرونا تک جہا کے اس مہرے کے
 مصداق ہیں **۵** در دو اردین بھئے جہہ دیکھوں تہ توئے کانکر
 پاتھر ٹھیکری بھئے آرسی موہ۔ کہتے ہیں کہ ڈرو دیوار میرے لئے آئینہ
 بن گئے ہیں جس طرف دیکھتا ہوں تجھی کو جلوہ گر پاتا ہوں (یہاں تک
 کہ کنکر پتھر ٹھیکری بھی میرے لئے آرسی ہو گئے) عورتیں اس چھوٹے
 سے آئینہ کو انگٹھوٹھی میں جڑوا لیتی ہیں (امیرالمومنین علی سے کسی نے
 پوچھا کہ اپنے خدا کو دیکھا ہے فرمایا کہ میں کیا آن دیکھے خدا کی عبادت
 کرتا ہوں **۶** غرض **۵** کا یہ پاکاں راقیاس از خود میگہر گرچہ باش
 در نوشتن شیر شیر۔ بغیر ان مراتب پر پہنچے ہوئے ایسے الفاظ اور
 اس طریقہ سے مضامین کو ادا کرنا کہ جس میں محض چھوڑا پن اور بازار
 مجاز ہی مشقوں اور اپنی دل پسند عورتوں پر تمام تر مصداق آئے یا صاف
 صاف بے ادبی پائی جائے ایسی زبان اور ایسے قلموں کے لئے یہاں
 ہیں جو ان مراتب پر پہنچے ہوئے نہیں ہیں۔

یہ قیود میں نے اس واسطے لگائے ہیں کہ ایسا نہ ہو ہر عامی اور ہر نابلدہ اور ہر فاسق و فاجر اپنے یا غیر کے کلاموں میں بھی جو بحالتِ لخبزی و اشتعالِ قوتِ یہیمیہ تصنیف ہوئے ہیں بلند معنی زبردستی پہناتے کے لئے مستعد ہو جائے اور واقفانِ فن و مترانص بالکمالوں کے حقوق پائمال ہو کر گناہ الگ ہو اور اس اعلیٰ درجہ کے ستاروں کی بھی مٹی خراب ہو جائے۔

واضح ہو کہ عاشقانہ وہ کلام ہے جس سے انتہا محبت و شوق و ذوق لگے اور گوکہ معشوق کی بے اعتنائی و غفلت جو رد و جفا یا عشق و محبت کے سبب سے عزت و حرمت و ہوش و حواس بلکہ جان جلانے کی ذہبت تک آجائے مگر بجز اظہارِ مسرت اور خوشی خاطر عاشق کے مطلق کبریاہت کی بونہ پیدا ہو۔ اگر مجتہدانہ گلہ و شکوہ یا اپنی حالتِ زار کا اظہار بھی کرے تو پیرایہ بیان ایسا ہے کہ جس سے عاشق کا الکتا جاننا پیا جاہا بلکہ برعکس اس کے شوق و ذوق ہو یا ہو (عشق حقیقی میں اسی کو رضا و تسلیم سے تعمیر کرتے ہیں) اور بیان اس کا بہت طویل ہی ایسے عشق کے مدارج بہت اعلیٰ ہیں۔ بہر حال معشوق کی شان میں قاتلِ سفاک جلا د شوح و عدہ خلاف دشمن جفا پسند بانی ظلم و غیرہ لفظوں سے مجتہدانہ خطاب کرنا جائز الاستعمال ہے مگر یہ سب پیار کے الفاظ اس طرح نہ آئیں جن سے معشوق کی شان یا اپنے دامنِ شوق و محبت پر کسی طرح کا دھبہ آئے بلکہ یہ الفاظ بھی ایسی

دلکش ترکیب سے آئیں کہ اپنے ذوق و شوق اور محشوق کے کوشش
 حسن کی شان بہت بڑھتی دکھائی دے یا اپنی حالت ناز کا
 کیسے ہی مبالغہ کے ساتھ اظہار کیوں نہ کرے مگر اس سے شبہ
 بھی اس کا نہ پایا جائے کہ اپنے ولولہ شوق و محبت میں کچھ بھی
 کمی ہے حسن ظاہری و مجازی و عشق و محبت غیر حقیقی تک
 میں بھی (جو بطور تقنین طبع شعر کہے جاتے ہیں) اگر مقصود
 اظہار عشق و محبت ہے تو یہی رخ ہے اور شعر کا سچا پان اس سے
 نمایاں ہو چنانچہ قیس عامری عاشق لیلے کا عربی دیوان اس کا
 شاہد ہے کہ اس غریب سچے عاشق نے جتنے اشعار عشق لیلے میں
 کہے ہیں اگر یہ عشق اس کا مجازی تھا مگر چونکہ سچا اور نشت و فجو
 کے خیال سے خالی تھا اس کے قریب قریب سب شعر ایسے ہی
 ہیں کہ اگر لیلے کا نام کمال دیا جائے تو بے تکلف محشوق حقیقی کی
 شان میں اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ عاشقانہ شعر میں اگر ایسا رخ
 انتہائے بلاغت کے ساتھ اختیار کرے کہ بادی لہ نظر میں طرح
 مجازی ہونے کا دھوکا ہو تو حد سے زیادہ شعر موثر ہوتا ہی
 لے کہا گیا ہے کہ مغموم شعر اور استعارہ کے لوازمات پر جہاں تک
 پسندیدہ پر وہ ڈالاجکے شعر میں مزہ اور لطف بڑھتا جاتا ہے۔
 استعارہ کی بڑے تشبیہ پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ وجہ شبہ ناقص
 یا غیر مناسب تو نہیں ہے یا مشابہت پیدا کرنے کے لئے بہت

کچھ نہ تان کرنے کی تو ضرورت نہیں ہے۔ پھر دیکھتے ہیں کہ الفاظ مناسباً
 عامیانہ و بازاری تو نہیں ہیں جن سے ذہن ادب و عصمت پر داغ
 آتا ہو۔ غرض کہ عاشقانہ شعر کے پہچان لینے کے لئے مذکورہ بالا بیان
 کافی ہیثیت طیلکہ ذہن سلیم سے کام لے۔

امیر خسرو کہتے ہیں ۛ دلہ در عاشقی آوارہ شد آوارہ تریادا ۛ
 تنم از بیدی بیچارہ شد بیچارہ تریادا ۛ کہتا ہے کہ میرا دل عشق میں
 آوارہ ہو گیا (تمنا ظاہر کرتا ہے) کہ الہی اس سے زیادہ آوارہ ہو جائے۔
 میرا جسم بغیر دل کے بیچارہ ہو گیا کاش اور بھی بیچارہ ہو جائے۔ آتش کہتے
 ہیں ۛ قاتل جزائے تیرے تیری تیغ کو بہ زخموں کے منہ کھلے نہیں
 جنت کے در کھلے۔ معنی و مطلب ظاہر میں جن سے تمام تر ذوق
 و شوق ہویداری بعض ایسے بھی شعر مہوتے ہیں کہ ایک مصرع تو اچھا خاصہ
 عاشقانہ تھا مگر دوسرے مصرع نے اس کو بگاڑ دیا مثلاً پہلے مصرع میں
 تو یہ کہا کہ تمہارے جو دستم کو ہم گرم و مہر و محبت سمجھا کے مگر ای تو
 اس پر بھی تم نہ سمجھے تو تم سے خدا سمجھے، ایسے اچھے عاشقانہ مضمون کو
 خدا سمجھے کہہ کر اور ایک معمولی رعایت بت اور خدا کی بادولت بگاڑ
 دینے سے شعر عاشقانہ پن سے الگ نکل گیا اور مطرح حجاز کا پہلا غالب گیا
 اس مضمون میں کئی جگہ استعارہ کے لفظ کو استعمال کیا گیا ہے جس لئے
 مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مثال دیکھو ہیں نشیں کروایا جائے مثلاً آتش
 مرحوم کہتے ہیں ۛ ادب تا چند ای دست ہو س قاتل کے ذہن کل

سنبھل سکتا نہیں اب دوش سے بوجھ اپنی گردن کا۔ اگر استعارہ کے پہلو اور حقیقی رخ کے خیال سے دیکھا جائے تو معنی اور مطلب شعر کے یہ ہوں گے کہ قاتل سے غرض اہل مار والے (خدا) سے رکھی ہوئی نہ سنبھل سکتا گردن کے بوجھ کا اپنے جسم پر اس سے غرض یہ ہے کہ زندگی دو بھر ہے۔ قاتل حقیقی کے دامن کا پکڑنا اس سے غرض استدعا موت سے ہے چونکہ طلب معیت ناجائز اور برخلاف ادب ہے لہذا شدت ضرورت ہر ناجائز کو جائز کر دیتی ہے تو اب حاصل معنی شعر کے یہ ہوئے کہ ہم کہاں تک صدمہ و غم عشق میں برداشت کریں (کیونکہ برداشت سے باہر ہے) یہاں تک کہ (گو ادب کے برخلاف ہو) مگر اب ضرور ہے کہ قاتل کے دامن کا ادب نہ کیا جائے (یعنی گونا جائز ہو مگر استدعا سے موت کرنا چاہئے۔

ایک دوسرے شاعر کا یہ شعر ہے **تہہ شمشیر کیا شکل ہو رکھنا اپنی گردن کا** مگر آسان نہیں پچاننا قاتل کی چتون کا۔ کہتا ہے کہ طلب معیت تو مشکل نہیں ہے مگر قاتل کی چتون (یعنی مرضی) کا معلوم کر لینا آسان نہیں ہے (یعنی یہ مقام طلب معیت کا ہی یا نہیں ہے اور قاتل کی مرضی بھی اس بارہ میں ہی یا نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شعر امر تراض یا فطر تا مذاق صحیح رکھتے ہیں اور سمجھ بوجھ رکھتے ہیں ان کے کلام میں زیادہ تر ایسے ہی عالی مضامین ہوا کرتے ہیں گو کہ کبھی کبھی وہ ایسے بھی شعر کہتے ہیں

جیسے معمولی شعر کہتے ہیں اور جو شعرا تابد اور اہل ہوس ہوتے ہیں چاہے اتفاق سے اُن کے کسی شعر میں ایسے عالی مضمون نکل آئیں مگر اُن کا اعتناء نہیں ہر جیسے کسی موزوں طبع لڑکے کے بعض شعر استادوں کے شعر سے بڑھ جاتے ہیں۔

عارفانہ وہ شعر ہے کہ سارا شعر یا کوئی لفظ اُس میں ایسا رکھا گیا ہو کہ گو مشترک المعنی ہو لیکن حقیقت اور معرفت کی طرف ظاہر اللہ لالت ہو امیر خسرو کہتے ہیں ۛ مگر من از سجود آستان کشتی گشتم بہ ہمیں جاکش ہر اباسے کہ سر بر آستان افتد۔ کہتا ہے کہ اگر میں سجدہ ہی کرنے سے مار ڈالتے کے لائق ہو گیا ہوں تو اپنے ہی آستانہ پر (جہاں میں نے سجدہ کیا ہے) قتل کر دے کہ میرا سر بھی یہی گرسے اگرچہ یہ شعر عاشقانہ ہے مگر سجدہ کے لفظ نے عارفانہ بھی اس کو بنادیا اور طبیعت کو دوسری طرف ڈٹا دیا۔ کہیں مضمون اور بندش ہی شعر کی ایسی ہوتی ہے کہ معرفت کی طرف ظاہر اللہ لالت ہو حضرت خواجہ میر درد فرماتے ہیں ۛ تجھی کو جو یا جلوہ فرماندیکھا ۛ برابر ہی دنیا کو دیکھانہ دیکھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ شعر سمجھ کر نہیں کہا گیا ہے اور بجا تھی مشوق سے مراد کبھی ہے۔

آتش مرحوم کہتے ہیں ۛ تار تار پیر میں میں بس رہی ہے بے دست مثل تصویر نہالی میں ہوں اور پہلوئے دوست ۛ اس کے برہہ کہ توحید و معرفت اور کیا ہوگی۔

صوفیانہ وہ کلام ہے کہ بجز حقیقی پہلو کے کوئی اور قریب یا بعینہ پہلو اُس سے

نہ نکلے اور اصطلاحیں بھی تمام تر مہر ہی ہوں جو تصوف و معرفت
 و توحید کی ہیں چونکہ استعارہ سے اُس میں بہت کم کام لیا جاتا ہے
 اس لئے ایسے اشعار پھیلے اور بے لطف ہو کر رہے ہیں اسی کو مولانا
 روم فرماتے ہیں ۵ خوشتر آن باشد کہ سرد لیاں ۶ گفتہ آید
 در حدیث دیگران - ایک اور حقیقت شناس کہتا ہے ۵
 مشہور منکر کہ در استعارایں قوم ۶ و رائے شاعر عربی چیزے دیگر است
 یہ چیز دگر کیا ہے وہی باریک باریک دل کش استعارے اور مناسب
 موقع ابہام اور تناسب الفاظ و بندش اور ندرت خیال اور
 ٹھیک بیک پر محاورے اور پھر مجموعہ حالت کے ساتھ سلاست
 و روانی و نغمہ کی گنجائش محض صوفیانہ کلام میں نہیں ہوتی
 حالانکہ ویسے شعر کا کہنا یا سننا داخل حسات ہو۔ صوفیانہ شعر مثلاً
 ۵ اس عالم ہستی کو تو نے ہی بنایا ہے ۶ خلوت میں تو ہی جلوت میں
 تو ہی تھی یا مثلاً ۵ بل جاؤں گا کبھی میں فنا ہو کے ایک دن ۶
 دریا ہے تیری ذات میں اُس میں جناب ہوں - یہ شعر خاص صوفیانہ
 ہے اور چنداں ندرت اس میں نہیں پائی جاتی اب اگر اس مضمون
 کو یوں کہہ دیا جائے ۵ کسی کے حسن کے دریا میں سیل اگر آئی ۶
 جناب و ابہاس کی امید و آ نکھیں - تو شعر کا رتبہ بلند اور صاف
 طرح صوفیانہ سے نکل کر عاشقانہ و عارفانہ ہو جائے گا اور لطف
 کلام بھی بڑھ جائے گا کہیں صوفیانہ و عاشقانہ دونوں ہوتا ہے

جیسے ۵ تری ذات پر فدا ہوں مے جان و دل کے مالک ۶
جو تری طرف سے ہو بھی وہ ستم ستم نہیں ہے۔

فلسفیانہ وہ شعر ہے کہ جس میں کسی شے کو علت گردان کر ان کو بنا برسر کے
عقلی طور پر استدلال کیا ہو عام آئینکے وہ علت یا استدلال تام
ہو یا ناقص مگر شاعر اسی کو مسلم مان لے اسی لئے اہل علم استدلال
شاعرانہ کو مسلم نہیں مانتے مثلاً مرزا بیدل کہتے ہیں ۵ منقل
می شد ز دنیا ہوش اگر می دہشت خلق - جبر و قتل در مذاق کاو
خرو زین بود یعنی خلاق کو اگر ہوش ہوتے تو دنیا سے نفرت کرتی (اب
اس مصرع کو ایک دعوا سمجھنا چاہیے اس کے یہ تشبیہ کے ساتھ اس دعویٰ
کا ثبوت دیتا ہے) صبر (یعنی مصبر) اور کھوپڑ (مخطل) کا وخر کے نایق
میں لوزی (حالانکہ درحقیقت یہ دونوں چیزیں کسی بلعم و تلخ ہیں۔ ظاہر
ہے کہ کاو وخر کو اتنا ہوش ضرور ہے کہ جو چیز بلعم و تلخ ہے اس کو منہ نہیں لگاتے
چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ کاو وخر بھی ان چیزوں کو سونگھ کر چھوڑ دیتے ہیں یہ مثال
جس پر استدلال کیا ہے خود ناقص ہے مگر شاعرانہ حیثیت سے لائق اعتراض
چندان نہیں ہے۔ کسی جگہ کوئی مسئلہ استدلال میں پورا بھی ہوتا ہے مثلاً
۵ تمے حسن بے بدل کا کبھی یہ تر نہ ہوتا بل تو ہی تو کبھی نہ ہوتا میں
ہی میں اگر نہ ہوتا۔ اس میں مخاطب کی یکدائی کو اپنی یکدائی سے ثابت
کیا ہے اور استدلال منطقی سے بھی درست ہے یا مثلاً آتش کہتے ہیں ۵
مطلب نہ من نوشت کا سمجھا تو شکر کر ۶ دیوانہ ہو جو حال قصدا و قدر کھلے۔

یہ لہجہ کہ اگر قصداً قدر کا حال پہلے ہی کھل جائے یعنی پہلے ہی پتہ لگ جائے
 کہ ہم کل ضرور مر جائیں گے تو بدحواس ہو جائے۔
 رندانہ وہ شعری جس میں بے قیدی اور بے پروائی بہ طرح کی دکھائی
 جائے مثلاً **بہار آئی پلا سا غرابا ہا ہا او ہو ہو ہو ہو** بیوں کا
 خوب بھر بھر کر ہا ہا ہا او ہو ہو ہو **و اعطاس** طرح سے محفل
 سے نکلوانے کے لیے **پا بدست دگرے دست بدست دگرے**
 کہہ دو ناصح سے کہ تجویز کر کے **تنگ ناموس کو ہم ندبھتے کیا ہیں**
 آزادانہ وہ کلام ہے کہ تعلقات کے ساتھ بے اعتنائی و بے پروائی
 دکھائی جائے آتش **غور عشق زیادہ غور حسن سے ہے**
ادھر تو آنکھ پھری دم ادھر روانہ ہوا۔ میر تقی میر فقیرانہ لے
 صدا کر چلے **میاں خورشید** ہم دعا کر چلے **ایضاً** ہو کوئی بادشاہ
 کہ کوئی وزیر ہو **اپنی بلا سے بیٹھ رہے جب فقیر ہو مو من جاں**
بت خانہ میں ہو گرتا گھر مومن ہیں تو اب آئیں گے ہم
حسرتانہ وہ شعری کہ یاس حسرت و درد اس سے پیدا ہو میر تقی
 مرحوم کے اکثر شعرا ایسے ہی ہیں **شیخ علی حزیں حمتہ اللہ**
ای وائے ہراسیز گزیراز رفتہ باشد دردام ماندہ باشد صیاد رفتہ باشد
صدافسوں میں بے قیدی پر جس کو بھلا دیا گیا ہو دام میں پکھنسا رہا
 گیا ہو **بہار چلا گیا ہو** صحفی کہتے ہیں **فصل گل فصل خرب**
دونوں ہی اسی صیاد۔ مرغ دل کون سے موسم میں رہا ہوتا ہے

ہزار فیق سودا ۵ سودا قمار عشق میں شیریں کو مکن + با نئی گریہ
پانہ سکا سر تو کھوسکا - کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہر عشق باز +
ایرہ و سیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا -

مہر تانہ وہ کلام ہی جس سے برخلاف حسرت و یاس اظہار
خوش و مسرور ہوا آتش ۵ ہر شب شب برات ہی ہر روز
روز عید سوتا ہوں ہاتھ گردن مینا میں آل کے لاکھ ۵
کس خوشی سے تہنیت دے دیکے یوں کہتا ہر دل + وصل کی شب
ہی مبارک دوست کو پہلوئے دوست -

تاصوانہ وہ شعر جس میں اخلاقی یا غیر اخلاقی پند و نصائح ہو لاکھ
۵ آخری عمر ضیق میں دل بھی ہو جان بھی + مردانہ باش ختم ہی
یہ امتحان بھی راسخ ۵ شناسا گو نہوتیرا کوئی یہ تو تو گو نہوتیرا لاکھ
۵ مصیبت جس سے زائل ہو وہی سامان کر دے گا + نہ گھرانا
خدا سب مشکلیں آسان کر دے گا -

ظریفانہ وہ کلام ہے کہ جس میں کوئی مضحک لطیفہ پیدا ہو اس کی
دو قسمیں سمجھنا چاہئیں ایک وہ کہ جس میں محض کوئی لطیفہ یا ہنسی
کی بات ہو دوسرے وہ کہ ظرافت کے ساتھ نصیحت بھی ہو قسم اول
ہی پہلی قسم ہر انشاء اللہ خاں ۵ یہ جو ہنست مٹھے ہیں ادھا
کے کند پیر - اوتار بس کے گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پیر ۵
شیخ کل محفل رندان میں بہت آئے گئے ہا خوب سے مجبور تھے کچھ وعظ

بھی فرمائے گئے۔ زندگی پہلے تو بہت اُنھیں سمجھائے گئے۔ آخر اللامر
 وہ اس طرح نکلوا گئے پاب دست دگرے دست بدست دگرے۔
 دوسری قسم مروجہ کبر الہ آبادی ۵ ہم ایسی کتابیں لائق ضبطی
 سمجھتے ہیں۔ کہ جن کو پڑھ کے بیٹے باپ کو ضبطی سمجھتے ہیں۔
 مادحانہ غزل کا وہ شعر جو جس میں کسی خاص شخص کی مدح ہو۔
 ناصر علی کی غزل کا مطلع ۵ ایشان حیدری زجین تو شکا
 نام تو درنہر دکنہ کار ذوالفقار لاجد ۵ عزیز و شاہ
 عالم گیر اور سمرق کی آتی نہ ایسا بادشہ ہو گا نہ ایسا اب گدا ہو گا۔
 مادحانہ وہ شعر جو مادحانہ کے برخلاف ہو۔ جرات ۵
 جو نام مصطفیٰ خاں کے وقت صحیح جرات ہو۔ عوض کھانے کے
 انسان کے سبب تا شام غم کھائے۔

لیکن یاد ہے کہ غزل سی یا کیزہ چیز میں اس طرح کے ناپسندیدہ شعر
 داخل کرنا جس میں ذاتیات پر حملہ ہو سخت معیوب دونوں ہی
 ہی مشاعروں میں پڑھنا اور بھی بد تیزی ہے۔
 افتخارانہ وہ شعر ہے کہ شاعر اپنی مدح آپ کرے لاجد ۵
 میں اگر جمع کروں گیواں کو ۵ نام معدوم ہو خاقانی کا۔
 ازاں قبیل شعرا نے کثرت سے اپنی مدح آپ کی ہے۔ ہر چند کثرت
 استیصال سے ظاہر اعیب نہ رہا ہو مگر فی نفسہ نہایت ہی
 ناپسندیدہ ہے بلکہ مخفی طور سے لوگوں کے دل ایسی بلند پروازی

سے چڑجاتے ہیں۔ اگرچہ جن شعرا کے اخلاق درست تھے وہ بھی اس فعل میں شریک ہو گئے نہیں مگر یہ کیا ضرور ہے کہ اس اخلاقی میں بھی ان کی پیروی کی جائے سو قیامت وہ اشعار ہیں جن کے مضمون میں چھچھو را پن اور الفاظ بازاری ہو ناز و انداز و عشوہ کرشمہ وغیرہ سب یہ بات نمایاں ہو کہ زنان بانار و قاسقہ و فاجرہ کی طرف اشارہ ہے عشق سی پاکیزہ چیز کو بوس رانی میں دھبہ لگا یا جا رہا ہے یا مثلاً سودائے محبت کو دکھانا مقصود ہے تو فرمایا جا رہا ہے کہ اک بھٹی سی گڈری پہننے یا تنگ ٹنگ سر منڈا ہوا دست پناہ لئے ہوئے کوچہ کی خاک اڑا رہے ہیں اس قسم کی تصویر اپنی کھینچنا کیلک ہے یا بالکلنا یہی ہے ایسے بخش مضامین لانا کہ نوجوانوں کی قوت بہی جوش میں آئے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں ۵ خدا کے واسطے آنچل ذرا تو کھسکاؤ۔ تمھارے سینہ پہ ایجاں بھرا کیسا ہے ۵ وہ میری مٹھائی کا حصہ کہاں ہے میں سب سن چکا ہوں چھپانے سے حال وہ صاحب کو بند اٹرھانا مبارک وہ بندہ کو بالابتنا مبارک۔ ایک صاحب ارشاد کرتے ہیں ۵ جب سوال وصل پر کرتا ہوں ضد۔ ڈر کے کہتے ہیں کہ ہم اچھے نہیں۔ اس سے بھی بخش ۵ حوروں کا انتظار کرے کون حشر تک ۵..... ملے تو وہی شباب میں تکلف یہ کہ دیوان میں چھپو ابھی دیتے ہیں۔ افسوس زمانے! رکاکت کی مثال ملاحظہ ہو ایک صاحب دیوان مطبوعہ میں فرماتے ہیں ۵ اب تو صورت سے ہے

تغیرت بخت عباس ڈرو لی درگاہ میں آئے تو زیارت نہ کریں۔ ایک صاحب افاہن فرماتے ہیں **سہ** وہ ان کا راتوں کی چھپ چھپ کے میرے نظر آنا پڑ کرے، چڑھائے ہوئے پائیے اٹھائے ہوئے۔

وغیر ذلک من اقوالہم فاجتنبوا ایہا الاخوان۔ یہ امر مسلم کی کہ شعرا ہر طرح کے مضامین نظم کرنے کے بجا رہیں شعرا نے عجم نے بڑی بڑی بے اعتدالیوں کی ہیں انوری تو انوری ہی حضرت شیخ سعدی سا بزرگ کب اس سے بچا ہوا ہی لیکن حالت یہ ہو کہ یہ سب بزرگوں اس زمانہ میں تھے کہ قوم و سلاطین امر کا اقبال مساعدا دولت عیش و عشرت کا و نور۔ دین است بجز کھیل تماشے کے اور کوئی کام نہیں بالقرض ملک لاری وغیرہ میں مشغولی بھی ہو تو اس سے فراغ حاصل کر کے انواع مضحکات میں صرف اوقات کیا کرتے تھے شعرا جن کو سلاطین و امرا سے طلب منفعت کی امید تھی ان کو خوش کر کے نعا لینے کے خیال سے ایسے ایسے محض مضامین کے نظم کرنے کی بھی ضرورت پیش آئی یہاں تک کہ بہ کنایہ سمجھی نہیں بلکہ انوری نے تو صاف صاف خود اپنے بیٹے اور بیٹی کی وہ محض تصویر کھینچی کہ العیا باللہ لیکن ساتھ اس کے وہ لوگ یہ بھی سمجھتے تھے کہ یہ باتیں بڑی و اخلاق سوز ہیں اسی لئے غزل سے پاکیزہ چیز میں نہ کر ایسے اشعار داخل نہیں کئے ہیں بلکہ مضحکات و مطائبات پر محسوب کیا ہی مگر آفت تو یہاں ہی کہ زمانہ کہاں سے کہاں مسدود تھی

میں آگے بڑھ گیا نہ ویسے فارغ البال سلاطین ہیں نہ امر ایسے لغویات
 پر نزاروں روپے اتعام دیں نہ ان کی ایسی بیہودہ فرمائشیں ہیں مگر خود
 اپنے اپنے مذاق رکیک کی تصویر غزل ہی چیز میں داخل کر کے تو جو لوگوں
 کی قوتِ سیمیرہ کے اُبھارنے کو فقط اتنی ہی بات کے لئے کہ ایسے
 لوگ واہ واہ کریں اور ہمکو بڑا استاد شاعر مان لیں خلاق سوز شہما
 صرف کہے ہی نہیں جاتے بلکہ تھوڑے بے بھی جاتے ہیں۔
 یوں تو ہمارے شعر نے اردو کے شعر کے عجم کے طرز سے تقلید کی ہے اور
 کوئی بات اٹھا نہیں سکی مگر جہاں تک ہماری نظر و آہ تک دو
 باتوں میں کامیابی نہیں ہوئی ہے ایک تو عارفانہ و عاشقانہ مسائل
 مضمون کی غزل اردو زبان کی میں نے نہیں کی تھی اور نہ کبھی شعرا
 عجم نے اکثر اس قسم کی غزلوں میں اپنا جوہر کیا ہے دکھایا ہے یا نہ
 عظیمائے شیرازی کی ذیکر غزل میں نقل کرتا ہوں۔

وہو ہوا

گفت با بجزم سازد گفتش و بگریخت	گفتش جمع سازد با خاطر از سر	گفتش کمتر شرم از ش لائے گفت	گفتش میں سو ختم دریا خاکت گفت	گفتش بر باد گشتہ در می مشرحت گفت
گفتش با بجزم سازد گفتش و بگریخت	گفتش جمع سازد با خاطر از سر	گفتش کمتر شرم از ش لائے گفت	گفتش میں سو ختم دریا خاکت گفت	گفتش بر باد گشتہ در می مشرحت گفت
گفتش با بجزم سازد گفتش و بگریخت	گفتش جمع سازد با خاطر از سر	گفتش کمتر شرم از ش لائے گفت	گفتش میں سو ختم دریا خاکت گفت	گفتش بر باد گشتہ در می مشرحت گفت

گفت در محشر سبک دم ز ندامت تو سبک دم
گفتش زین تدرہ گردیم زین تدرہ سبک دم
گفت خیر و شر نباشد در وساع عاشقان
گفتش این ہم حسابی از لب کفر و کفر
گفت با ما برب کو تر نشیند عاقبت
گفتش گر عاقبت این است خوشتر است
گفت دیگر ننگ ز در بر خاطر من عظیم
گفتش دیگر کو گھما گھما دیگر گھم
ارباب معرفت خوب جانتے ہیں کہ قاصد (پیغمبر) اور معشوق (حقیقی) سے
کیا غرض ہو باقی مضمون کی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

فارسی کی ایک اور بات غزلوں میں عیسٰی تقلید معلوم ہوتی ہے فارسی میں
الف ندائیم یائے وحدت یائے توصیف ایسی چیزیں ہیں کہ کلام کو مختصر مگر
نہایت خوشنما و موثر کر دیتی ہیں مگر ہماری اردو شاعری اسے محسوس ہی
ملاحظہ ہو **د** دل ز من بردہ تے سنگ ز لے سیم ہے۔ طرفیہ یاد ہے
مہ رخ مہر شے سرو قدے نوش کمرے۔ شوخ جادو نظر ہے۔ فتنہ آفت
جانے بت زیں کلے۔ غیرت مہر و مہرے کافرے دشمن دینے صنم کینہ ورسے
دلبرے عشوہ گرے۔ غور کرنے والوں نے غور کیا ہی بجز اس کے بعینہ ایسے
الفاظ لائے جائیں کوئی صورت تصرف کی ایسی نہیں معلوم ہوتی کہ یہی لطف باقی رہے
الف ندائیم کے لطف کو دیکھئے امیر و خسرو کہتے ہیں **د** سرو قد سمن
برائنگ قبائے کیستی لالہ رخا و دلبر جلوہ نمائے کیستی

غزلوں کے بارہ میں خاص کر کے علمائے ادب نے یہ ٹھہرایا ہے
کہ سہل ممتنع ہو یعنی باوجود انتہا درجہ کی سلاست و روانی کے (جیسا کہ
لوازمات شعر سے ہے) اور اوپر مذکور ہو چکا) اگر کوئی کہنا چاہے تو کہنا اس کا

دشوار ہو سچ ہی اگر دشوار نہ ہوتا تو ہر شخص میر تقی ہو جاتا۔ بدر چاہ بن جانا
آسان ہی مگر سدی و حافظ بنا خیلے دشوار۔

میں قبل بھی بصرحت لکھ چکا ہوں کہ اصلیت اور ڈھانچہ ہر ایک
زبان کی (ہندی) ہی جو بوج بھاشا سے کسی قدر بگڑ کر نکلی ہی اسی حالت
میں لامحالہ اس زبان کو بھاکھا سے طبعی موانست ہونی چاہئے مگر
چونکہ یہ محبوری اس میں الفاظ فارسی وغیرہ ایک ت سے ملتے سے
اور بھاکھا کے ساتھ بے اعتنائی رہی اس لئے موانست فارسی
سے رہی۔ جو زبان جس ملک اور جن قوم میں آج اور ماری ہوئی
ہی ضرور رہی کہ اس کا لٹریچر بھی موافق اس ملک اور قوم کے مذاق
کے ہو ورنہ اگر انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو ان پتھریل و برزخا
قطرت ضرور ہوگا۔ چاہے کثرت عادت و خراولت سے مانوس اور
قطرت ملک قوم کے مطابق کیوں نہ معلوم ہو بلکہ عادت اور کثرت
استعمال کے سبب سے یہ حالت پہنچ گئی ہو کہ اگر اس قوم و ملک
کے اصلی و فطری مذاق کو کوئی موجودہ زبان میں برتنا بھی چاہے گا
تو کانوں کو ناگوار اور آنکھ کو گھمٹا معلوم ہو مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائے
کہ ہیرا پنجائل و دمن وغیرہ کو سوداے عشق میں وہی رتبہ حاصل ہے جو عربی
میں لیلیٰ مجنون یا ایران میں ترنما و شیریں کو ہے۔ ایراق میں ایک بیچارے
غم رسیدہ بلبل باغوں میں جینا کرتی ہے مگر اس ملک میں کوکلا کو نکل
پہا فراق میں ایسے دلکش نالے اندھیری رات میں کیا کرتے ہیں

کہ ان کی سربلی کو کٹ لوں کو ترپا دیتی ہے۔ پیہا پی کہاں کی حسرت آمیز
 صد سے دلوں کو برما کے دیتا ہے۔ وہاں میچوں اور میچوں ڈیریا ہیں لیکن کہاں گناہ
 آپ حیات کا مزہ دیتے ہیں وہاں کوہ ہامون ہو دازدگان عشق کے
 سر چوڑنے کے لئے موجود ہے تو یہاں کوہ ہمالہ و ہندو چل جیسے پہاڑ
 میں جن کی نظیر دنیا میں نہیں ہے۔ اختلاف مذاق کی اس سے زیادہ
 کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ وہاں بڑے بڑے مقلع و مستحیدہ ایک سادہ
 بے ریش مرد کے عشق میں گرفتار ہو کر جتنے لوازمات ناگفتہ بہ
 ہیں سب ادا کرتے ہیں۔ یہ بدترین اخلاق اور خلاف قانون
 فطرت بات شاعری کے سیرایہ میں کھپ جاتی ہے ورنہ ہمارے ایسے
 اشعار جن سے ہزاروں یوان بھرے پڑے ہیں غیر قوموں اور غیر
 ملک والوں کے سامنے ہر طرح ذلیل و رسوا کرتے دکھاتے ہیں کہ
 غیروں پر منحصر نہیں ہے ہم خود جو کسی قدر سنبھل کے چلنے کے عادی
 ہیں چونکہ ہمارا مذاق شاعرانہ ہی اس ذلت کو گوارا کیے ہوئے ہے اور یہ
 عیب ہم کو عیب ہی نہیں دکھائی دیتا نہایت خوشی و فخر کے ساتھ
 بحسب تقاضائے ترکیب شعر ذرا بھی پس پیش نہیں کرتے اور
 اکثر ویسے ہی شرمناک مضمون داخل غزل کرتے ہیں مگر بقول
 ایک حامد میں سب برہنہ ہیں کوئی کسی پر سنس نہیں سکتا اگر ان
 تمام شرمناک مضامین کو استعارہ پر محمول کیا جائے تو بھی بے گنتی
 ایسے مقام ملیں گے جہاں مطلق استعارہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی

اور بالفرض ہو بھی تو ان استعاروں کو یوں برت کر تباہ کر دینا اور بہا
 عیش کی سہی ناجائز تصویروں کا پیش کرنا کون سی انسانیت ہی ہمارا
 قابل و لائق و مہذب ذی علم و زبان داں شعر الفطوں کے ترک
 کرنے کے بارے میں تو اتنی کرید کرتے ہیں (گویا مسئلہ یا حکم شرعی ہی)
 مگر مضامین شرمناک کی طرف (جس میں بلاشبہ بازخوبست عقبہ کا
 خوف ہی) مطلق تو بڑبڑ نہیں فرماتے العجب ثم العجب گویا انھوں نے
 شاعری کے سے شریف و ہمہ گیر وسیع فن کو تجھیں چند معمولی لفظوں
 کے جاسے اور اس کے اظہار تک محدود سمجھ لیا ہے۔ بلاشبہ فارسی لوگوں
 کی طرف سے یہ معقول عذر ہو سکتا ہے کہ ہماری زبان میں افعال مذکرہ
 و مؤنث میں کوئی فرق امتیازی نہیں ہے چاہے اس سے مرد مراد لو
 چاہے عورت، بیشک اس پر مگر جو تصویر و خط و خال و لوازمات قائم
 کئے جاتے ہیں وہ تو کسی طرح عورت پر صادق ہی نہیں آسکتا۔
 البتہ ہماری روز زبان کی شاعری میں جو صیغے اور افعال معشوق
 کے بارہ میں مذکر استعمال کئے جاتے ہیں اور سب لوازمات عورت
 کے دکھائے جاتے ہیں یہ بہت ہی استیدہ ہے اور اس میں بجز خوبی
 کے کوئی رکاوٹ پائی نہیں جانی تماشہ بہ پیروی اشعار فارسی
 ایسے لوازمات سے بھی اجتناب کریں جن کا اطلاق محض مرد
 پر ہوتا ہے جس شخص خلوص و راقسوں کے ساتھ ان مضامین
 کو لکھ رہے ہیں کوئی صاحب بجا تشیع اور عامیانه نکتہ چینی پر

پر گرجمبول نہ کریں۔ جب میں سوچ داس شرمناک فعل میں مبتلا ہوں تو دوسرے
 پرنسز و تیشخ کیا کروں گا۔ ہماری تنگ خیالیوں اور بیجا نکتہ چینیوں
 کی یہاں تک حالت زار پہنچ گئی ہے کہ تبدیل مذاق تو بہت دور
 دراز ہے اگر انھیں چند معمولی لفظوں کو جیسے لیلے جمنوں فرہاد و شیریں
 جیون سیمون وغیرہ کی جگہ پر سیرانجھایا بھرتی اور حالہ بندھا لیا اختیار کرے
 تو خدا جائے کفر و زندقہ کا فتوا اس کے بارہ میں ہو یا الحاد کا پھر جہاں
 یہ حالت ہو ایک اکیلا شخص کیا کر سکتا ہے۔

واضح ہو کہ زبان بھاکھا و سنسکرت بلکہ ہندوستان کی کل زبانوں
 میں جہز اس اردو عورت کی محبت مرد کے ساتھ مرد کی عورت کے
 ساتھ برتی اور دکھائی جاتی ہے فقط خیالی نہیں بلکہ واقعہ یوں ہے
 کہ یہاں کی عورتیں جائز طریقہ سے اپنے مردوں کی عاشق زار
 ہوا کرتی ہیں۔ ان کو ابتدا ہی سے یہ تعلیم دی جاتی کہ دنیا میں
 ما پرتیہ (خدا) ہے یا تمہارا شوہر ہے یہاں تک یہ محبت صحیح
 ہو جاتی ہے کہ شوہر کا کوئی فعل ان کے مخالف نہیں ہوتا سوتیا نعل
 عورت کے لئے ایک طبعی شہ ہے ہر چند اس کا سخت اثر
 یہاں کی عورتوں کے دلوں پر بھی بہت زیادہ ہوتا ہے مگر چاہئے
 کہ شوہر کی محبت و اطاعت میں کوئی فرق ظاہر کریں یا چہن جیسے
 ہوں غیر ممکن ہے۔ یہاں کی عورتوں کی محبت کا جوش اس سے
 بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اپنے مردہ شوہر کی لاش پر جو ہزاروں

من لکڑی کی بے پناہ آغ میں جلائی جا رہی ہے روانہ دار گرہرتی اور خوشی
 خوشی زندہ جل جاتی ہیں پھر نہیں کہ اگر اس متوفی کی کئی کئی عورتیں
 ہیں اور اس تعداد ذوالج کا بد اثر شوہر کی طرف سے ہو غیر ممکن ہے
 جتنی ہوں گی کوئی اُلاش کے پاؤں کو کوئی ہاتھ کو کوئی سر کو گود میں
 لے بیٹھتی ہے اگر اعضا تک رسائی نہیں ممکن ہوتی تو اُلاش کے گفن
 کے گوشہ ہی کو یکسر رستی ہو جاتی ہیں اگر اُلاش کے ساتھ کسی وجہ
 سے جلنا غیر ممکن نہ ہوا تو اپنے پیار سے مردہ شوہر کا کوئی کپڑا یا کوئی
 ہتھیار ہی بھی منوں لکڑی میں رکھ کر اور اس میں آگ کے آل کر
 بلتہ شعلوں کے اندر رکھ کر کھل کر خاک ہو جاتی ہیں اگر حیا نامہ بات
 کسی سخت روک کی وجہ سے میسر نہ ہوئی تو بعد شوہر کے لہانہ دنیا کو
 اپنے اوپر حرام کر لیتی ہیں ہی سر کے بال جن کے تعریف میں شعر ایسے کہ
 مبالغوں سے کام لیتے ہیں بے تکلف مثلاً اُلاش ہی کیسا گہنا اور گہنا
 کا عہرہ لباس کہاں کی مٹی اور کیسا کاجل کہاں کا بستر اور کیسا فرش
 ان سب کو اُلاش طرح دل سے بھلا دیتی ہیں گویا یہ چیزیں کبھی ان
 کے استعمال ہی میں نہیں نکلتیں بلکہ شبہ فی صحت ایسی بھی ہوتی ہیں
 کہ یہاں سے یہ افعال کرنی اور درحقیقت قاجرہ ہوتی ہیں ان کو
 مستثنیٰ کر کے اگر دیکھتے تو بھی غالباً کسی قوم اور کسی ملک میں اس شدت
 کی وفاداری نہ پائے گا۔ پھر مثل مشہور ہو کہ تالی دونوں ہاتھ سے جمتی
 ہو مرد بھی عشق و محبت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ اگر یہاں کے

تاریخی اور سچے حالات عشق و محبت کی داستان جو فسق و فجور سے کوئی دور ہو لکھی جائے تو شاید کئی دفتر جمع کرنا ہو۔

مذکورہ بالا ذن و مرد کی فطری و پاک محبت کے علاوہ یہاں کسب موسم سال بھر تک خشقیہ مضامین کے لئے حد سے زیادہ مناسب و با اثر ہیں اگر مملکت ایران میں خیال کیجئے تو صرف عمل کی تحویل سے لیکر جوڑا تک حتیٰ خوشی چاہئے مینا لیجئے اس فیصل میں غریب بلبل جس قدر ہو سکے نعرے مارے۔ بعد کو تو برف باری آزادی کی اجازت ہی نہ دی گئی یہاں البتہ بیساکم سے لیکر نصف اساطیر کو یاد دھانی پہننے تک جس قدر چاہئے موسم کی شکایت کر لیجئے اس پر بھی جی توں اس ملک میں افراط سے دولت تھی اطمینان تھا یہی سخت گرمی کا موسم معتدل اور راحت رساں ہو جاتا تھا۔ عمدہ عمدہ کئی کئی منزل کے مکانات جس کے ٹنگے خس کی ٹیٹیاں صبح و شام پانی سے سینے ہوئے باغوں کی ترونازگی شہر میں نہروں دریاؤں کا لہرانا ہر جگہ بحروں اور کشتیوں کی افراط اسی فصل سے پھلوں درمیوں کا پھلنا راتوں کو مکان کی چھتوں و صحن میں باہم دوستوں کا مل بیٹھنا اور ہوا کی خشکی کا لطف اٹھانا حسب مناسبت موسم جا بجا مذہبی میلوں کا ہونا۔ دو چار گھنٹے دن کی صعوبت گرما کا پورا نعم البدل ہو جاتا تھا۔ ہے اور اور موسم معتدل و فرحت افزا خصوص برسات کا تو کچھ بچھنا ہی نہیں ہے۔ یہی وہ موسم ہے کہ کالے کالے ابر نیلے آسمان

پر چھا نا شروع ہوتے ہیں فحش یا بی کے چھینٹوں سے زمین کا رنگ
 بدلنا شروع ہو جاتا ہے ٹھنڈی ٹھنڈی صحت افزا ہوا میں سر طرف چلنا
 شروع ہوتی ہیں یہی وہ موسم ہے کہ پچھڑے موسمے عاشق معشوق
 کو ملا دیتا ہے پردیس میں گئے ہوئے گھر چھڑتے ہیں باغوں میں کثرت
 سے عیش و آرام کے سامان مہیا ہو کر آتے ہیں آموں کے درختوں میں
 لٹکوسے اس کثرت سے آجاتے ہیں کہ بار سے ڈالیاں زمین پر چھک
 پڑتی ہیں فالسے انار رنگترے کونے مختلف رنگتوں اور مختلف رحمت
 بخش خوشبوؤں سے دل و دماغ کو تازہ کرتے ہیں انگور کی طرح آموں کے
 بور کے لاکھوں لاکھ خوشے اپنی اپنی میٹھی اور جاں فزا شہم سے دل کو لٹھنے
 لیتے ہیں آموں کے گنجان درختوں میں سر لٹاک جھولے ان پر رنگ
 رنگ جوڑے پہنے پیریزادوں کا ملکہ ہلکے بیگنہ پیر اور اس موسم کے
 موافق چیزوں کا دل کش آوازوں کے ساتھ گانا اسی طرح ہونی چاہی
 بسنت کے مختلف موسموں میں مختلف عیش و عشرت کے سامان ساتھ
 اسی کے ان موسموں کے سامان کو مذہبی رنگ میں رنگنا اسی کے
 ساتھ سچی اور پاک محبت کی جیتی جاگتی تصویروں کا پیش نظر ہونا۔
 پھر یہاں کے بڑے بڑے مہاتما کیشروں کا ان سامانوں خصوص یہاں
 کی سچی اور پاک محبت سے متاثر ہو کر بالوغے سے کوسوں دور ہو کر اپنے
 اپنے کبتوں اور سچی ہونی نظریں میں ان مضامین کو لیکر مینا سبستعالیٰ
 اور تشبیہوں کے ساتھ حقانیت دروہانیت و معرفت کے مفہوم

پیدا کرنا تاکہ میری نظم محض کھیل اور ہوس برائی نہ سکیے۔ ان نتیجہ سنج
 لکشیوں اور شاعروں کے ساتھ گولوں سپیوں چپوں وراور مختلف صدا
 کیے ذوالپرندوں کا ہم زبان رہنا۔ کیا یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ
 شعر کے دلوں اور خیالوں پر اثر نہ کریں اور پھر جب اس اثر سے ان کے
 دل و دماغ بہرور ہیں تو ان کے کلام جاذب قلوب با اثر نہ ہوں
 تعمیر ممکن ہو گا۔ دل چاہتے بھلا اہل دولت یا ذمی علم پیدا توں کا تو کیا
 تذکرہ حیرت یہاں کے ان اگلے ان پڑھ اور پست درجہ کی قوموں
 پر ہو جنہوں نے اپنی گنوارسی زبان میں طرح طرح کے ایسے ایسے
 گیت اور سچے عشق و حسن کی داستا میں موزوں کر رکھی ہیں کہ اگر کوئی
 عاشق خدایا (بہ شرطیکہ اس زبان کو سمجھے بھی) سن لے تو حد سے
 زیادہ متاثر ہو جائے۔ وہ بعض گنوار زبان کے گیت بھی سننے میں جو ایران
 کی گنوار عورتیں تقریبات یا باغوں سے میوہ چنتے وقت یا قافلوں
 میں گائے جاتے ہیں میں نے عرب کے حدی خواؤں اور تقریبات میں
 جو گیت گائے جاتے ہیں بہت شوق سے سنے اور مضمون سمجھنے
 کی کوشش کی ہے میں نے جنگ احد میں کفار مکہ کے جوش میں لگنے
 کے لئے جو گیت دف پر بعض مشہور عورتوں نے گایا تھا جس کی
 تاثیر نے حضرت امیر حمزہؓ کو قتل کروا دیا کتا بوں میں
 پڑھا ہے جسکی ابتدا یوں ہے **ع** نحن بنات الطارق
 امشی علی التمارق۔ (ہم عورتیں آسمان کے ستاروں کی

بیٹیاں ہیں۔ محلی اور گدگد بے کچھو توں پر چلنے والیاں ہیں (شاید زبان کے نہ جاننے سے وہ لطف مجھ کو نہ ملتا ہو لیکن قطع نظر اس کے آخر مفہوم اور مقصود تک تو انسان پہنچ سکتا ہی یا نہیں اور پھر بغیر تجربہ کر کے یہاں کی بھاکائیں کب سمجھ میں آتی ہیں۔ تاہم چند لفظوں کے سمجھ لینے مفہوم تو ضرور سمجھ میں آجاتا ہی۔

اور اور دل کش طرزِ ادا و موثر مضامین کو جانے دو سخنِ خطابیات کو لیلو ہماری اردو کی شاعری میں عشوق کی طرف جن جن لقب سے خطاب کرتے ہیں اس کی کوئی کمی نہیں ہے۔ جلاد قاتل سفاک وعدہ خلاف بہ جانی تند خو غرض کہاں تک لقب گنواؤں ان سیکڑوں خطابوں میں شاید گنتی کے ایسے خطاب ہیں جن کے الفاظ بیاہے اور دل کو کھینچنے والے ہیں جیسے کہ جانِ جاں محبوب عشوق، دل ربا وغیرہ۔

اول تو یہاں کی ہندی اور بھاکھا زبان میں ان خطابیات کی کوئی حد نہیں ہے جہاں جیسا مقتضائے مضمون لکھتے ہیں وہاں جیسے ہی دل کش اور چھے ہوئے مطالب کے مناسب القاب خطاب کرتے ہیں (جیسا آگے بیان ہوگا) تاہم شامہ بروہی یہ وہم گمانتی وغیرہ یہ کثرتِ خطاب ہیں اور اکثر ایسے ہیں جن کے مفہوم کو اردو کا کوئی خطاب پوری طرح ادا نہیں کر سکتا ہی ایک ایسی جہم سنگھائی کو لیجئے اس کے مفہوم میں کتنے پاک خیالات داخل ہیں ہے وہ خطابت

جو اس مضمون کے اعتبار سے اختیار کئے جاتے ہیں ان کا لطف
 ان مضامین ہی کے ساتھ ہے۔ قصیدہ اقسام نظم میں اس
 مشہور قسم کے موجود اہل عرب ہیں۔ قصیدوں میں اولاً ایک مطلع
 ہوتا ہے باقی اشعار اسی قافیہ کے پیرو ہو کر آتے ہیں قصیدے بہت
 کم ہوتے ہیں اگرچہ اہل عجم نے فارسی میں اکثر صرف قصیدے
 لکھے ہیں قصیدوں کی اکثر کئی تہید کے ساتھ شروع کرتے ہیں پھر
 مناسب طور سے اصل مضمون شروع کرتے ہیں ایک مضمون کے
 دوسرے مضمون کی طرف کھج جانے کا نام گریز ہے قصیدوں کے
 اکثر مقدمے اور تہیں ہیں چونکہ ذکر بہار و ایام شباب کیا جاتا ہے
 اس لئے اس تہید کو شیب کہا جاتا تھا مگر اب ہر قسم کی تہید کو شیب
 کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ قصیدوں میں سات شعر سے کم اور سو لہجہ
 سے زیادہ نہ ہونے چاہئیں مگر رفتہ رفتہ ایک ایک سو سے زیادہ
 کہے جانے لگے کبھی کبھی بیچ بیچ میں پھر مطلع لگا دیا کرتے ہیں تاکہ
 ناز کی پیدا ہو جائے قصیدے میں زیادہ تر مدوح کے اوصاف
 بیان کیے جاتے ہیں اگرچہ اور اور مسلسل کسی مضمون کے کبھی قصیدے
 ہوتے ہیں کسی مضمون کے لفظ ہارنم و الم کی تہید میں جو سامعین پر
 اثر پہنچانے کے لئے توفی کے اوصاف و محامد مذکور کئے جاتے
 ہیں جس کے اشعار مثل نخل کے ایک ہی بحر و قافیہ ہوتے ہیں
 وہ سب قصیدے ہیں داخل ہیں اگر ترکیب مذکورہ کے ساتھ

کسی کی قریح مسلسل ہو تو وہ بھی قصیدہ کہا جائے گا۔ مدح و تہنیت میں جو قریحوں
 قدیمہ۔ فارسی زبان میں قصیدہ کا موجد عباس شہر مدینہ کا رہنے والا ہی ظنیفہ
 ناموں رشید جب شہر مدینہ میں داخل ہوا تو بطور خیر مقدم فارسی میں سہی
 ساتھ شعر کا قصیدہ پیش کر کے امید سے زیادہ انعام پایا چھڑ کیا تھا
 شہر کے طلبِ صنعت کے لئے ایک معقول طریقہ پیدا کر کے تہنیت میں مدح
 فارسی کے کلام میں مثل اہل عرب کے سادگی تھی جو انہوں نے سادگی کے چٹھا
 سادہ مضامین (جن میں فطری اثر تھا) وہ تو خریچ ہونے کے ناچار شعر میں
 مبالغہات و مبالغہات و دیگر صنائع کو بطور ملزوم بالایلزام قصیدوں میں
 اختیار کیا اس لئے قصیدے صلیت سے بہت دور جا پڑے۔ جمہوری
 اشعار میں بھی ہوں اور مسلسل مضمون بطور غزل کے مضمون و موزوں
 ہوں تو قصیدہ میں داخل ہے۔

قصیدے حمد و نعت و منقبت کے علاوہ سلاطین و امرا و علم و حکم کو ملامت
 وغیرہ وغیرہ کی خواہ مدح خواہ قدح خواہ اور کسی مسلسل مضمون کے کہے جاتے
 ہیں مگر زیادہ تر اطلاق مدح ہی پر ہوتا ہے۔ قصیدے سے مدحیہ پہلے تو سلاطین
 و ظالم و امرا کے با نام و نشان میں کہے جاتے تھے جن میں سب سے پہلے
 کے اوصاف ذاتی مثلاً صورت و شکل کی خوبی شجاعت و سخاوت و عدالت
 و دیگر اوصاف بیان کیے جاتے تھے پھر ان کے اوصاف خارجی و زائد
 مثلاً آمارت و دولت ان کی سواری کے گھوڑے ہاتھی کثرتِ خرم و
 مستحکم کو اظہار کرتے تھے پھر دعائیہ اشعار پر ختم کیے جاتے تھے مگر رفتہ رفتہ

اس کے ابتدائی کی یہ نوبت پہنچی کہ ادنیٰ ادنیٰ بنیوں اور کچھ ہی فردوں
تک کی شان میں کہے جانے لگے ذاتی اوصاف تو ذاتی ہیں ایسے
لوگ جو کبھی ایک ٹو پر مائے ڈر کے نہیں پڑھے قصیدہ گو شعرا نے
ان کے گھوڑے اور ان کی شہ سواری کے اوصاف فلک بستم تک
پہنچائے جس شخص نے فی عمرہ ایک چھری تک کمر میں نہ باندھی اس
کی تلوار کے کاٹ کو ذوالفقار علی کے مماثل بنا بنا دیا یہ کیوں اس لئے
کہ چار پیسے ملیں چاہے یہ شریف فن کیسا ہی بدنام و مبتذل کیوں سمجھا
جائے پھر تکلف یہ ہے کہ اگر ایسا محدود قصیدہ ہے اور اس نے ایسے قصیدہ
کو اپنی بیوی سمجھی اور شاعر صاحب کے قصیدے کے رتبہ سے (جسکو وہ
اپنے نزدیک لہامی سمجھے ہیں) کچھ کم دیا تو بھوکے لئے طیار ہیں۔
اگر خیال کیا جائے تو ایسے بے موقع اور بے جگہ مضامین بلند کا
صرف کرنا بھی ایک حیثیت کر کے برخلاف شان بلاغت ہی البتہ
مذہبی قصائد جو کہے جاتے ہیں ان کی صورت دوسری ہے وہاں خود
مادح و سامع (جن کو سنانا مقصود ہوتا ہے) سب ایک ہی خیال
و اعتقاد کے ہوتے ہیں ایسے خوش الحقاد ان مقدس صدیوں
کے اوصاف و شان کو ان اوصاف ظاہری سے (میر حنیف بظاہر کیسے
ہی مبالغہ سے کام کیوں کر لیا جائے) کہیں بہتر سمجھ سکتے ہیں ہاں یہ خیال ہی
کہ **۵** ہر دو عالم قیمت خود گنتہ + منہج بالا کن کہ ارزانی ہتوز +
ایسی دعیں اور ایسے قصائد بالضرور با موقع و مقتضائے حال کے

موافق اور حد و بلاغت کے اندر میں پھر کونکر جاذبِ قلوبت با اثر نہ ہوں۔
 قطع نظر قصائد کے اور اور اوصاف کے بعض بعض مدعیان فن شعر نے یہ سمجھ رکھا ہے
 کہ تفسیروں میں بڑے بڑے دھوم دھامی ہوئے ہوئے الفاظ ہونے چاہئیں جن سے
 شانِ کلام کی بڑھ جائے۔ غالباً اس سے ان حضرات کی غرض یہ ہے کہ لغاتِ خمیر مستعمل کا
 سلسلہ عربی یا فارسی ترکیبوں کے ساتھ لایا جائے یا یہ کہ ان ولاداتِ علم کی رسوائی
 رکھی جائے۔ تمام علمائے ادب اس پر اتفاق ہوئے کہ تفسیر کے وہ جمل عربی اور
 اہل عرب کی فصاحت و بلاغت ہر طرح مسلمان کی لہجی و اہل عرب زیادہ تر
 قیود ہی میں پناہ کماں اظہر کیا کرتے تھے عرب کے جو شاعر سب سے زیادہ اس
 دروازے پر محاورہ اور وسطا بق نعرات کے قصائد نظم کرتا تھا وہی اربابِ شعر
 مانا جاتا تھا۔ بیحد حلقہ امیر القیس کا وہ قیود جس میں اس کی معشوقِ عزیزہ
 کا کچھ اچھا بیان کیا ہے البتہ کا وہ قیود **آفت الیاد اکلھا**
 و مقاہمات امتد کی جو میرے بیان کے لئے دلیل واضح ہے جن میں الفاظ
 اور ترکیبوں کو یہ حضرات دھوم دھامی بنا رہے ہیں وہ ان کے روزمرہ اور
 شعوتوں اور بچوں تک کی زبان پر جاری تھے البتہ سلسلہ اور موثر طریقہ سے
 ان الفاظ کا اپنی بزرگ پرستہ حال کرنا یہ ان کا کمال ہو کسی نے حضرت سلطان
 البلغا علی ابن ابی طالب سے پوچھا کہ ایام جاہلیت میں سب سے زیادہ
 اشعر الشعوات تھا آپ نے فرمایا کہ الملک لفضیل وہی گمراہ بادشاہ بدشاہ
 گمراہ سے غرض ہر قیس سے یہ اس کے عزیزہ والے قیود میں غمش مضامین
 بھرے ہیں مگر انبیسکہ متفقہاً ہے حال اور فطرتی ہیں اس لئے بحیثیت شعر

وحسن بیان کے یہ قابل تعریف و ولید کے قصیدہ آنت الیاری کی خوبی
 تعریف ہی وہ کیوں ہی ہے گزشتہ اس مقام کی (جس کا حسرت ناکہ حال لکھنا
 پوری تصویر کھینچی ہے یہ مختصر حال تو اہل عرب کی قصیدہ گوئی کا لکھا گیا ہے
 فضیحا و شعرائے عجم کے قصائد تو خوب یاد ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک تو نہ
 قصائد میں تہی تہی تھی نہ اشعار میں طوالت چھٹی صدی سے شعرا نے
 اس میدان میں پاؤں بڑھایا ابتداء تو اسی سادگی اور فطری مختصر اشعار سے
 کام لینا شروع کیا اور اہل عرب کے طرز بلاغت کے پورے مقلد سے مگر جب
 خزانہ خالی ہوا تو ادھر ادھر ذہن دور لے اور اوصاف زائید کرنے کی سخت
 ضرورت ہوئی رفتہ رفتہ مبالغات ایہام و دیگر صنائع کے بھرنے کی ضرورت
 ہوئی یہاں تک کہ بعض قصیدہ گو صنائع و حیل کی تلاش میں شعر کے جوہر
 اعلیٰ یعنی مقصد کے جان کو بھی بھول بیٹھے۔ باوجود اس کے یہ جو سمجھا گیا ہے کہ
 دھوم دھامی الفاظ یعنی موندے موندے الفاظ ان کے قصائد میں ہیں یا تو
 جیسے شنگول یعنی شوق و ذہن اشہ گوں معنی پوت کا رنگ غراب معنی ایک
 قسم کا چہاز۔ نذاب معنی لداختہ شدہ مجھد حلقہ در حلقہ بال قصب السبیل کے
 بیٹھا ہوا۔ مجتہد چیک و ہزار در ہزار ایسے ہی الفاظ جو ان کی زبان و زبیر
 میں داخل ہر ملحق نا الواسع ہیں۔ چونکہ متاخرین شعرا میں قائلی شیرازی
 نے خاص کر کہ قصائد ہی میں اپنا کمال ختم کیا ہے اور شاید ہمارے حضرات کی
 دھوم دھامی الفاظ سے اسی کے مختار الفاظ سے غرض ہو جن کے جمع
 کرنے کا وہ بادشاہ ہے (مگر چنانچہ اس نے بہت سی تہ کیسیں اور الفاظ وہی اختیار

کہے ہیں جو سلمان ساوجی و حکیم سنائی کے ہیں مگر تعریف یہ ہے کہ ایسے لفظ
 کے استعمال کا موقع خوب بیکھتا ہی اس بارہ پر اس کے جتنے قصائد ہیں
 غالباً اجتماع الفاظ دل پسند میں اس کے سولہ سترہ قصیدہ لاجواب ہیں
 اور کجملہ قصیدہ ہی جس کی تشبیب یوں شروع کی ہے **۱** بگڑوں باہاں
 تیرہ ابرے بریشد از دریا۔ جو اہر خیز و گوہر نیر و گوہر نیر و گوہر نیر
 چوں شب عاشق گرفتہ چوں لعل عاشق۔ ہرنگ طرہ دامق شمالیہ عذرا
 اسی قصیدہ کے آخر میں عام رضاء کی مدح میں کہتا ہے **۲** باوصاف
 تو قاتی دمہ دراد سخن دانی۔ کند امر و زہد بقاتی کہ تا حاصل برہ فردا سخن تہمت
 و او در ہماں شام فرغ عمل ایماں نشانند در زمیناں کہ چینیہ خوشہ در جوا
 اسی قسم کے دوسرے قصیدہ کی تشبیب بہاریہ ہے **۳** بہار آمد کہ گلین ہی
 بانگ ہزار آید۔ بہر ساعت خروش مرغزار از مرغزار آید۔ تو گوئی ارغنون
 بستد بہر شاخ و ہر برگے۔ ز بس بانگ تدر و بولبل و دراج و صا آید۔ پھر کہتا
 ہے **۴** مگر در سنبلستان مہن ز ولیدہ گیسواہ کہ از سنبل بہ مرغم بویے جاں
 بے اختیار آید نہ الیاسا قیامی وہ بجان من پیای دہ + دما دم ہی خوردی
 وہ کہ ہی تہ سمخار آید + یکے بر لالہ باکو بد کہ ہی رنگ می دارد + بیانی از گل بوجہ
 آید کہ بیخ بچ بویے یا آید۔ ایک دوسرے قصیدہ کو حسن طلب سے شروع کرتا ہے **۵**
 رین نامہ دلدار دشمن از شیرازہ دماں گرفتہم و بوسیدم و کشودم بازہ نوشتہ
 مرا کہ مقیم گشتہ تیر ہی چہ وئے داد کدل بر گرفتہ از شیرازہ۔ شنیدہ ام کہ تیر
 شاہدان شکلو لاند۔ ہمہ شکاری و پخچیر گہر و صید انداز۔

لون کہہ سکتا، کلاس میں ایک لفظ بھی ایسا ہی ہو وہاں کجاوڑیں دڑ رہی
 مستعمل نہ ہو۔ فارسی زبان کا آشنائی دوسری بات ہی مگر جن لوگوں کی
 عمریں فصحاء سے ایران کی صحبت میں ختم ہوئیں گن کے نزدیک یہ اشعار
 ایسے ہیں کہ جیسے فصحاء کے شیراز و صفہاں آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔
 شاید جیسا کہ میں نے اوپر کہا قصیدہ کی تعریف بیان کرنے والوں کی عرض
 دھوم دھماکی لفظ سے یہ ہو کہ تشبیب و نیرہ میں اصطلاحات علمیہ کو
 صرف کرے اگر حقیقت اصطلاحات علمیہ طور خاقانی کے یا بطور
 ملاعرنی کے یا جیسے نعمت خان عالی نے کامگار خاں الی سچو جس کا
 پہلا معرکہ یہ ہے۔ باریک کہ خراشد خان والا منزلت کہا ہے اور ان
 اصطلاحات علمیہ سے تشبیہ وغیرہ کا کام بھی لیا ہے تو ان کی علمیت شوخی تلاش
 اس سے ظاہر ہوتی ہے یا ان کے معمولی و مشہور اصطلاحات کے نام سے سنائے فقط گنواڑے
 گئے ہیں تو بعض علم و خوبی تلاش کے شاعر کا مبلغ صاف کھل جاتا ہے کہ یہ
 باتیں علم سے تو علاقہ نہیں کھتی ہیں فقط نمودار ہی تصور ہے۔

خاقانی وغیرہ کے قصائد کے بعض اشعار جو حل طلب ہو گئے ہیں اس کی وجہ اور
 گزری۔ اپنے کہاں رد میں جتنے قصائد میں دیکھے ہیں (اگرچہ اپنے اپنے طور
 پر سب اچھے ہیں) مگر پھر بھی مرزا رفیع سودا کے قصائد مدحیہ ہوں یا قدحیہ
 ہر وقت دکر کے برے ہو گئے ہیں۔ فی زمانہ جبکہ چیز کی چھان بین کی جا رہی
 ہے تو قصیدہ مدح و نعت منقبت کا تو کیا کہنا یوں بھی کتنی مدوح کی شان میں کہنا
 مستحسن ہے مشرک علیہ مد اعدال کے اندر ہے اول تو غیر مستحق کی شان میں بھٹا

بن کر خود کو توخیر اس فن کو تو ذلیل نہ کرے دوسرے مبالغوں اور طوالت سے
 پر گزرا مہرے اور کوشش کرے کہ شعر کم ہوں مگر لطافت و کمپنی و خوبی محاورات
 و بہتگی میں اپنی نظیر آئیےں قسام نظم میں مشہور و معروف و معرکتہ الآرا
 قسم مثنوی بھی ہے مثنوی اسم با ستم یعنی دو مصرعے والی سیز اس کے
 جیسے اشعار بطور مطلع غزل کے ہوا کرتے ہیں اس کا شعر مخالف القوافی ہوتا ہے
 مثنوی زیادہ مسدس ارکان میں کہی گئی ہے اگر مثنوی بحر میں کہتے ہیں تو
 سالم بہت کم دیکھی ہے مخدوف یا مقطوع بیشتر مثنوی ہے مثلاً بحر اعراب کتب
 بناہم خداوند جان آفرین فعولن فعولن فعولن -

مثنویاں فارسی میں شمار ہیں۔ ایک بڑے مشہور محقق نے اپنی تصنیف میں
 بے تکلفیہ تصنیف کیا کہ عربی زبان میں مثنوی نہیں ہے دیکھ کر خلکو سخت تعجب
 ہوا شاید شیخ الرئیس کی مشہور مثنوی ازجوزہ سیدنا یہ کا نام انھوں نے
 نہیں سنا میں نے کلکتہ میں مشہور مستشرق مسٹر اکینبلی سابق جج ہائی کورٹ
 کے کمرہ میں دو پروٹ شلیٹ دو عربی مثنویوں کے آگے آئی میری دھڑک
 پائے جیسا مدوح کے بیان سے معلوم ہوا کہ یا م جاہلیت کے دو شاعر
 کا کلام ہے مھر سے جیسا مدوح نے منگائی ہیں اور جیسا کہ میں نے سہا ہی
 اردو میں بھی مثنویوں کی کچھ کمی نہیں ہے مگر لائنوں کی کمی ہے چند مثنویاں
 ہیں ایک بدر منیر مصنفہ حسین ہلوی مرحوم دوسرے کلرا نسیم جس کا خوب
 کے آگے اعتراض تھا اگرچہ بعض سچے بھی ہوں مگر بے حقیقت ہیں غلامانی
 وندربی مثنویوں میں مرزا فیض کی مثنوی نان ناک بھی قابلِ یاد ہے

جس کا ذکر ان کے حالات میں کیا گیا ہے لیکن سچ یوں ہی کہ نظامی
 ادریس سرود ہاتھی کی لیلیٰ مجنوں شیخ سعدی کی بوستاں فردوسی کے
 شاہنامہ مولانا روم کی مثنوی حکیم سنائی کے حدیقہ فیضی کی نل من
 جامع کی سجتہ المبارک وغیرہ غیر نامی مثنویوں تک ایک بھی نہ پہنچی تباہی جس کو
 ترانہ اور چابیتی بھی کہتے ہیں جو جہاں اس کا استاد ہوگی یہ حکیم شاعر ایک دن
 بازار میں چلا جاتا تھا راستہ میں چند اڑکے گولیاں کھیل رہے تھے یہ تماشا دیکھنے
 لگا ایک چالاک لڑکا اپنی گولی کو نٹھکا کر سوراخ کی طرف لے چلا تا لیا
 سب بجا کر گرتا جاتا تھا اسے سلطان غلطان ہی رود درین گو۔ وہ کوئی بھی
 حسب مراد کرتے ہیں کہ گولی آستانہ نے اپنے خیال میں موزوں پاکر غور کیا تو نہ جانتا
 لگانے سے بہت اٹھا کر مصرع بحر ہزج میں ہے اس کے دو دائرے بنا کر ایک دائرہ میں
 بعد اس فعلوں سے کہہ کر کے بارہ اوزان قائم کئے پھر دوسرے دائرہ کو فعلوں سے آغاز
 کر کے اس میں بھی بارہ اوزان قائم کئے اور چار مصرعوں پر اس کی بنا رکھی چاروں
 میں قافیے رکھے مگر تینوں زبیدی مصرع کا قافیہ ضرورتی سمجھا پہلے رباعیوں
 میں خلاقی و معروفیت کے مضامین دادا کے جانتے تھے چنانچہ ابو سعید ابو الخیر نے
 تو ایک یوانیہ میں چھوڑا ہے اس میں چھوڑا ہے اس میں چھوڑا ہے اس میں چھوڑا ہے
 ٹپڑاوتی ہیں۔ مگر خیام نے غمخیزانہ میں حقائق و دقایق کے مضامین داخل
 کر کے بڑی شہرت پائی۔ مگر آدھ دو میں اب تک کسی کو وہ رتبہ نصیب نہ ہوا
 قطعات میں سی طرح سے تیار ہوا ابین میں نے جو بابت اور نام پاریا وہ بھی
 کسی کو نصیب نہ ہوا اولیٰ اور قصیدہ میں یہ فرق ہے کہ اس میں مطلع نہیں ہوتا

دوسرے شعروں کو مسلسل ہونا چاہیے اس تسلسل کا نتیجہ آخر شعر میں گرگالے اور
 مستحسن ہونے تو قطعہ کی تعریف ہی۔ ترجیح بندہ یہ کہ کسی مطلع پر ہم وزن متحد
 یا متفق قوافی کے ساتھ بطور شعرا بیات ایسے ہوں کہ اس مطلع کے لئے بطور گز
 کے ہو جائیں۔ محشر یہ ہو کہ کسی شعر پر آٹھ مصرعے لگا کر دس بندے متسع
 اگر بیات مصرعے لگا کر تو مصرعے کر کے اس طرح شعر یعنی دو مصرعے لگا کر
 آٹھ کر کے صحیح دو کونیاں بنا کر اس میں ایک مطلع بیچا اور مصرعے متفقے خواہ
 مردوف لگا دینا چاہئے مطلع والے قافیے کے مطابق ہو یا نہیں بلکہ ہونا مستحسن
 محض ایک شعر پر تین مصرعے لگانا مربع ایک شعر پر دو مصرعے خواہ ایک ہی
 مصرعے پر تین مصرعے لگانا قطعاً اور رباعی اور پنجوں پر بیرون ہو کر رباعی
 بحر بحر بیرون کے اور کسی بحر میں نہیں ہوتی اگر مطلع میں چار مصرعے ہوں تو اپنے
 نام سے اسی طرح مربع بھی پکارا جاتا ہے یا چھکے میں مستند اور کسی شعر یا غزل
 کے وزن مقررہ میں فرض کروا آٹھ ارکان ہیں اس کو دس یا بارہ ارکان دینا
 مثلاً ۵ ذاعلائن فخلان فخلان فخلان فخلان میں ذار از از فخلان دو ارکان
 اسی طرح دوسرے مصرعے کے چار رکن کو چھ کر دینا کہیں آہستہ ہی
 رکن مقررہ وزن کے مصرعے میں بڑھا دیتے ہیں مسدود بحر میں بھی
 مستند اور آہی مگر کم۔ ان تمام قسام مروجہ کے گنوا دینے کے بعد میں پھر کہتا
 ہوں کہ چاہے نظم کی جو قسم ہو جب تک دو چیزیں چھپے طور سے اردو کی
 نظم میں شریک نہ ہوں گی قیامت تک فارسی کی اسی مہارت و فصاحت
 و دل کشی اور دو نظم میں پیدا نہیں ہوگی یہ جا کر بھاگتا ہے شیخ لربانی و

دل گرفتگی چنانچہ کسی قدر تو اس کو میں پہلے بیان بھی کر چکا ہوں چھپ چکی کہتا
 ہوں کہ فصاحت و بلاغت کے بیان میں جتنے شرائط اور پرندگور ہوئے
 بعض بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شعر میں وہ سب باتیں تو موجود ہیں مگر وہ
 شعر طبع سلیم و ذوق صحیح کے دل کو جذب نہیں کرتا اور کانوں کو اُپر پڑتی
 سا معلوم ہوتا ہے بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ مضمون شعر تو اعلیٰ درجہ پر پہنچا
 ہوا ہے اور لفظ اپنے اپنے ٹھکانے پر ٹھیک ہیں مگر ڈھار ڈھار سا ہے
 اور وہ لوچ نہیں رکھتا جو شعر کی اصل خوبی اور جان ہے اسی کے مقابل
 میں باعتبار مضمون خوبی بندش کے اگر بلاغت کے رد سے تو حیثیت
 قائم کے جائیں تو دوسرے شعر سے یہ شعر لپست ہے مگر دل کو جو یہ شعر
 (جس میں جو بات و محاسن بلاغت اُس شعر سے کم ہیں) مزہ دیتا
 ہے وہ نہیں دیتا۔ غالباً میرے اس بیان کی وہ حضرات ضرور تصدیق
 فرمائیں گے جنھوں نے ایسے شعروں پر بہت غور کیا ہے شیخ بہائی نے
 کشتکول میں ہی بارہ میں ایک نقل لکھی ہے کہ دو شاعروں کے دو شعر
 ایک ہی مضمون کے تھے مگر ایک شعر جس کے سامنے پڑھا جائے ٹام ہو
 یا جاہل وہ اس کی بھی تعریفیں کرتا تھا اور جس کے سامنے دوسرا شعر
 پڑھا جاتا تھا وہ کہہ اٹھتا تھا۔ شعر الاول اجد من ہذا معنی و بیان
 و بلاغت کے تمام قواعد کا پورا لباس اسی دوسرے شعر کے قدر فریب تھا
 مگر پہلے شعر کے سامنے پھینکا ہو جاتا ایک ٹپے ادیب سے پوچھا کہ آیا سبب
 اس کا کیا ہے انھوں نے کہا کہ بھائی بات یہ ہے کہ طبع سلیم و ذوق صحیح

کی مچھار کے آگے کوڑی مچھار نہیں ٹھہر سکتی اگرچہ فنون ادبیات بھی
 طبع سلیم ذوق صحیح ہی کی مچھار پہننے ہیں مگر ذوق صحیح کا حامل کہاں
 کون ممکن ہے۔ آغاخان نے بھی ایک عربی گیت کے بارے میں قریب یہ
 اس کے ایک نقل لکھی ہے۔ غور کرنے والوں کو ضرور سوچنا چاہئے کہ
 ایسا اس کے کیا وجوہ ہیں یہاں تک ممکن ہو کوشش سے اس کثرت کو
 عیاں کرین نہ یہ کہ قصبت بے پروائی کو دخل دیں۔ میں نے
 انشاء فری کے عمدہ شعروں کا ترجمہ حتی الوسع اردو میں کسی کسی طریقہ سے
 نقل کیا اور کوشش کی کہ جتنے الفاظ جن جن معنوں اور مطالب کے ساتھ فارسی
 شعروں میں آردو میں آئے ہیں ان سے تجاوز نہ ہو اکثر اس بارہ میں کامیابی بھی ہوئی
 مگر وہ دل پسندی جو غارتی شعر میں تھی نہ پائی کیلئے مذاق کو صحیح نہ جان کر
 اور اور با مذاق دوستوں کو سنایا سب تصدیق کی کہ بلاشبہ فارسی شعر
 کی ہجازیہ ریت و دل پسندی بڑھی ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ بجا کھل کے درمیان
 میں جاذبیت و اثر پایا۔ ایک میں نہیں بلکہ ایسے با تیز لوگ بھی جمع کئے
 کہ الفاظ کو پوری طرح نہیں بلکہ ٹٹول کے ساتھ کچھ کچھ سمجھ کیتے ہیں سب
 کو اپنا ہنم زبان چایا اس بارہ میں بھی بہت غور کیا کہ آیا ایسا کیوں ہے
 کہ ایک اجنبی زبان کے شعر ہماری مانوس زبان آخر کیوں اثر میں
 جاتے ہیں ممکن ہے کہ خوبی فنون ہی اس کا سبب ہو اس لئے اکثر شعروں
 کے دھما میں اردو میں نظم کو دیکھے تو بھی وہ بابت نہ پائی تاکہ باپ
 خیال آیا کہ شاید بعینہ کہی شعروں کا بحسب اقتضائے ترکیب زبان

مناسب نہ ہوتا ہو اس لئے چھلے کہ اس کے فقط مفہوم کو اپنی زبان میں
 لیا جائے چنانچہ اس خیال کر کے ایک دہرے کو کئی ترکیب سے اردو
 میں نظم کیا لیکن دل پسند نہ ہوا وہ دہرہ یہ ہے **۵** مکت تریا
 کان میں کہ نس سدا کہا میں معنی یہ ہیں کہ موئی عشق کے کان میں ہمیشہ
 کا پتے رہتے ہیں۔ دوسرا لکڑا یہ ہے۔ ترچھی جتون سے ڈریں کہ پھر نہ بیدھے
 جائیں یعنی اس ڈر سے کانپتے ہیں کہ ایسا نہ ہو پھر سیدھے دے جائیں۔
 ممکن ہے کہ کوئی صاحب ایسا دلکش ترجمہ اردو میں نظم کر دیں کہ پوری
 طرح سے مطلب بھی ادا ہوا ویسی لوح بھی قائم ہے مگر میں نے اس کو یوں
 نظم کیا **۶** موئی تمہارے کان کے تھرا ہے ہیں کیوں۔ فریاد کس غریب
 کی گوش آشنا ہوئی۔ ہمارا مطلب یہ ہے جس کو ہم بار بار کہہ رہے ہیں
 کہ از بسکہ ہماری اردو زبان کی اصل اور ڈھانچ بھاکھا ہے نہ کہ فارسی
 وغیرہ جیسا کہ بطور واضح اوپر بیان ہو چکا ہے چاہئے کہ مقتضائے طبعی سجا
 اس زبان کا بہ نسبت فارسی وغیرہ کے زیادہ ہو مگر ہم نے اس مانہ سے
 جیتے ہیں کا نام ریختہ ہوا تمام تر روش اور ترکیب اور مذاق بھی محض
 فارسی ہی کا اختیار کر لیا ہے یہی مذاق مانوس تو غرور ہے جسے کہ اگر کوئی
 چاہے بھی کہ دفعۃً بھاکھا کے مذاق سے کام لے تو چندیکے سب سے سخت
 بھیانک معلوم ہوگا۔ میں نے ہندی اور بھاکھا زبان کے بارہ میں یہ
 لکھا ہے کہ ان زبانوں کے دہروں کے آگے اردو کے اشعار صاف بھلے پر جاتے
 ہیں۔ جو حضرت نصف مزاج اور غور کرنے کے عادی ہیں وہ چھوٹے یہ علم

لکھتے ہیں کہ بھاکھا زبان کی شاعری میں معشوق کو عورت مانا گیا ہے جو
ایک طبعی امر ہے میں کہتا ہوں کہ اگر اُس کی شاعری کے با اثر ہونے کا یہی
سبب ہے تو جس جن مضمون میں معشوق کے مرد و عورت سے کچھ بحث
نہیں کی جاتی اور یہ سہتم نہیں ملتا کہ معشوق مرد ہے یا عورت وہاں
دل کشی اور جاذبیت کیوں نہ یاد رہے P

اصل یہ ہے کہ بھاکھا کے اکثر الفاظ میں ایسا لوج اور نمک ہوتا ہے
کہ اُس کے مقابلہ میں (بہ شرطیکہ اردو بولنے والوں کے لئے محض ہی
اجنبی ہوں) کلام میں ایسا نمک پیدا کر دیتے ہیں کہ بے اختیار دل کو
کھینچ لیتے ہیں مثلاً ملاحظہ ہو کہ بھیا یا بھائی ہر امر مستعمل اور ہندی لفظ
ہو اُس کے مقابل میں بیرن ایک اجنبی لفظ ہے مگر گوش آشنا ضرور
ہے میرا نہیں ہے اپنے ایک مہر میں حضرت علی اکبر کی شہادت کے بعد خمیہ
سرم کی حالت نظم کی ہے اس مقام پر کہتے ہیں **۱** بہنیں بکارتی ہیں
کہ بیرن سے تیار۔ اب تک تو رات آئے تھے خمیہ میں چند بار۔ اس جگہ اگر
بھیا یا بھائی کا لفظ بیرن کی جگہ رکھا جاتا تو وہ دل گرفتگی و نمک ہرگز باقی
نہیں رہتا یا مثلاً میرا نہیں ہے بھی پیند کی جگہ پھر یہ نظم کہ کے مصرع کی دل کشی
بڑھادی ہے۔ اگلوں میں سے ایک فصیح اللسان نے بھی اس لفظ کو نظم کیا ہے
جب تک اس کے اور اور مصرع اس کے ساتھ نہ گور نہ ہوں اس لفظ کا موقع اور
تک ظاہر نہ ہو گا ملاحظہ ہو **۲** یار و شفق پھول کر شام جو ہونے لگی۔

آتسوؤں سے یا تو تب چہرہ کو دھونے لگی۔ پھر وہ مصرعوں کے بعد حضرت بانو کی

کہاں آد اکیا ہرے پنکھ کیونہ بھی کے بیری کیا۔ پر مہے پوٹن ہائے مگر
 میں ہر پھیرا کیا۔ ساتھ اس کے ایسا لفظ کے لانے طے کا ذوق نہایت صحیح
 و سلیم ہونا چاہئے ہیر اینس جس مرثیہ میں بیری نظم کیا تھا ایسا یا موقع تھا
 کہ نہایت تعریفوں کے ساتھ وہ مرثیہ ہی اس بیری کے
 لفظ کے ساتھ منسوب کیا برخلاف اس مصرع کے ہاں لاکا یہ نوہ تھامک
 ہر ہرے دیور۔ حالانکہ کس قدر مستعمل ہو مگر یہ موقع لانے سے سخت ناگوار
 ہوا اور لوگ نقل محفل کرنے لگے۔

غرض میری سمجھیوں ہو کہ ہائے شعرا باعتبار زبانوں کے تو ایسے صاحبان ہوں
 کہ آردو میں ترکیب لغات فارسی عربی کی ایسی بھرمار کر دیں کہ اس زبان
 کے بولنے والے کو اجنب معلوم ہونے سے نہایت ہی بھاریا ہو جائیں سسکتے
 و بھاشائے غیر عربی و غلطیوں کا میل لیکر معمولی باتوں کو شلوک بناویں۔
 محفلوں کو ہر جگہ مد نظر رکھنا چاہئے۔

ایک ضروری امر ان یا خیر نکتہ میں فصیح لکھلاہ ضیح البتہ مرثیہ شاعر
 گوش گزار لکھنے کے قابل یہ بھی ہو کہ اگر وہ خیال فرمائیں تو زبان آردو
 کے نکتہ نے ہے اکثر مضامین کا خون ہو جاتا ہے ضرورت اس کی ہو کہ
 اس زبان میں لفاظ آہستہ آہستہ بڑھاتے اور ملائے جائیں۔ میں کھتا ہوں
 کہ سیکڑوں ہی لفاظ علیحدہ ہی بھائیوں کے ہیں جن کو نظم میں ملائے تو بے چکتے
 میں معمولی شعریہ جات کہاں کہ بے خوف ہو کر اس کو نظم میں ملائے کہ
 اور مرثیہ ضرورت کے لیل سلوم ہاں کہ یہ لکریں کہ

ہی ہوں کہ صریح دیکھتا ہوں کہ اچھے خاصے شرفا اس لفظ کو لگا کر کہتے ہیں
 چاہے مستحقان کچھ بھی بدولت ترک بھی کرنا پڑے مگر انہیں یہ کیوں داخل نہیں
 کرتا اس خیال سے کہ میرے زمانہ کے بااثر شعرا لوگ نے دین یہ بھی بدولت محمول
 ہی کہ وہیں کیجئے کوئی غیر عربی شاعر اگر کسی ایسے ہی لفظ کو نظم کہ جائے تو اس کی
 تائید کریں نہ تمہیں تو میرا اس ترکیب سے رفتہ رفتہ زبان فصیح ہوتی جلتی گئی
 دو سو ہی بات یہی کہ ہندی و بھارتی کے منظومات پر غور کریں کہ یہ نسبت
 آدھ کے ان پر جو اذیت کیوں ہو اس کے لئے سانسکرت و سماجی آثار ہی کے
 یکے اور وقت اٹھانے کی بھی چنداں ضرورت نہیں رہی ہو گی ہولی اور ہندی
 اور منظومات بھارتی اور ہندی جو پیشتر راج اور گانے بھی جاتے ہیں اس
 میں اور وہاں فرقاً ان پر غور کریں کہ خود خود طبقات کو کویں خود دیکھتے
 ہیں اور جتنا بظہر میں کہتے ہیں ان تمام ہندیوں کی یہ بات اردو کے شعروں کے
 کم نصیب ہو رہی ہے مگر غرض کہ عواقب و عواقب تو قانون اخلاقی کا
 حقیقی کہ معنایں میں ہندو جہانہ کہ پورہ میں اثر انگیز ہوتے ہیں خاص سماجی
 عشق کے شعروں میں لذت کی وہ پائیداری ہوتی ہے نہ انرا اس کا نام ہوتا ہے
 ایسے معنایں جو حقیقی پہلو کے ساتھ بھارت کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور ان
 اس کی اصل حقیقت تک پہنچیں نہ پہنچیں مگر وہی کو چونکہ باطن اس کے
 ساتھ لگاؤ ضرور ہے کہ چھپے طور سے اثر ہو چکے اور جو شعر محض بھارتی
 معنوں کے ہوتے ہیں اگر ایسے الفاظ اور معنی سے دست ہوتی ہے بھی اثر
 لگتا ہے مگر گاہ بگاہ اس پر شعرا کی لذت نفس نہ ملتا نہیں جو معنی

پڑھے لطف تازہ ہے اور اس انیمضمون کے شعر سے نفس جلد تھک جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے کلام بے نتیجہ ہوا کرتے ہیں۔

میں نے ہندی دیکھا کھا کے منظومات کے بارہ میں کسی جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ اس زبان کے منظومات نہایت بااثر اور حقیقت کا پہلو لئے ہوتے ہیں چنانچہ میں ذیل میں اس زبان کے چند طرح کے ویسے ہی منظومات نقل کر کے مذکورہ بالا بیان کی وضاحت کی کوشش کرونگا۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یوں تو ہندوستان کی سرزمین ہی کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا ہے کہ جتنی خوبیاں اور اور ملکوں میں مختلف طرح سے ہیں وہ سب خوبیاں قریب قریب اس ہندوستان میں جمع ہیں موسم کی بھی یہی حالت ہے کہ ہر موسم اکثر حصہ ہندوستان میں وہاں کے باشندوں کے ایک تو موافق اور اگر نہ بھی موافق ہوں تو فوراً دولت سے وہ وہ سامان مہیا کر لئے جاتے تھے کہ وہی برعکاس راحت موسم راحت سانس اور عشرت انگیز بن جاتا تھا۔ سب سے پیارا موسم یہاں برسات اور اس میں بھی سادوں کا مہینہ دل آویز ہے کہ پرڈیسی اپنے اپنے وطن کو لوٹتے اور داد عیش دیتے ہیں اس موقع کے الگ منظومات ہیں جو موسم میں گائے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک فراق زدہ دلہن اپنے شوہر کے شوق میں اپنی ہم عمر نند یعنی شوہر کی بہن سے پوچھتی ہے **نندی سادوں کب آئیں گے کب آئیں** بیرن تہا۔ کیوں اڑی میری نندی سادوں کب آئے گا۔ اور تمھارے بھائی کب آئیں گے۔ اس کے بعد آسانی

ہی) کہتی ہے **ع** بُوول سونا نا اگے رہے (اگر سونا پویا جائے تو نہ بچے گا)
 موتی پھرے نہیں ڈار (موتی ڈال میں نہیں پھلتے) کیا ہے جو بن پھرنا
 بہو رہے (شیاب پھر پلٹ کر نہیں آتا) مانگے ملے نہ ادھار۔ قرض بھی مانگیں
 تو نہیں ملتا۔ اسی کی دوسری آسانی میں معرفت کی طرف توجہ لو آتا ہے
ع ہاتھی بندھیں بہت سارے گھوٹے بندھیں گھر سارے سامی جی کو
 یا بندھیں پریم سے کو جوڑے ہیں جو یعنی ہاتھی قبل خانوں میں یا بندھے
 جاتے ہیں گھوٹے صہیل میں بندھتے ہیں مگر سامی جی (محبوب حقیقی) پریم
 (عجبت) سے باندھے جاتے ہیں بہر دم ہاتھوں کو جوڑے حضور میں حاضر
 بہتا پوئے ممکن ہی کہ کوئی صاحب یہ فرمادیں کہ سبحان اللہ ہاتھی اور گھوٹے
 سے محبوب کو مثال کر دیا ہے لیکن انتہائے شوق و ذوق کے درجہ پر
 پہنچ کر اگر ملاحظہ کریں گے تب سمجھ میں آجائے گا کہ اس تمثیل میں کیسی
 ندرت و لطافت ہے سبک و مرے ساون میں مفارقت اور انتظا سے
 اگتائی ہوئی یوں خوشنما طہ آمیز خطاب کرتی ہے **ع** اب کے ساون سیا
 گھری رہو۔ گھری رہو مندی کے بھائی یعنی (جب تم نے اس قدر رستہ
 دکھایا تو) بہتر سی ہے کہ اپنے ہی گھر ہو (پھر یہ طے نہ کہتی ہے) کہ دینیری
 تند کے بھائی گھری رہو یہاں تند کے بھائی کا خطاب خاص بھاکھا
 کی شاعری کا حسن ہے یعنی تم تو فریفتہ اپنے عزیزوں اور بھائی بہن پر ہو
 اس کو بالکل نیا یہ کہتی ہے۔

نہ کو رہ بالا چیزوں کو دیکھ کر بہتیرے حضرات تو مضحکہ کریں گے اور بہتیرے

س۔ و

۲۹۱۵۴۳۵

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا۔
